اللہ

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ

اور میں نے جنات اور انسانوں کو اس کے سوا کسی اور کام کیلئے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت (یعنی معرفت حاصل) کریں

لا الہ الا اللہ
محمد رسول اللہ

شاہراہِ معرفت

کتابچہ نمبر ۱۰

اکابر بالخصوص مجددین رحمۃ اللہ علیہم کی تعلیمات کے تعارف کیلئے

حضرت سید شبیر احمد کاکاخیل دامت برکاتہم

مسترشد حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ

و خلیفہ مجاز دیگر اکابر رحمۃ اللہ علیہم

ناشر : خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ راولپنڈی

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور
حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے علوم شریعت، طریقت اور حقیقت (معرفت) سے
کتابچوں کا سلسلہ

شاہراہِ معرفت

کتابچہ نمبر 10

(رجب۔1444ھ) بمطابق (البدر۔1401 شمسی ہجری)
بمطابق (فروری۔2023ء)

زیرِ سرپرستی

حضرت شیخ سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب مدظلہ العالی

مقصد: اسلاف کی تحقیقات سے اُمَّت کو آجکل کی
سمجھ میں آنے والی زبان میں روشناس کرنا

مجلس تحقیقات

زین العابدین صاحب مدظلہ

خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ

مکان نمبر CB-1991/1 ۔ بلمقابل جامع مسجد سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ
گلی نمبر4۔اشرف لین نزد آشیانہ چوک۔اللہ آباد ۔ویسٹرج 3 ۔راولپنڈی

فہرست مضامین

	عنوانات	
1	دیباچہ	2
2	حمد باری تعالیٰ	4
3	نعت رسول اکرم ﷺ	5
4	عارفانہ کلام	7
5	مطالعہ سیرت بصورتِ سوال	9
6	ہمارا اصلی مقصد ہدایت (میڈیکل یونیورسٹی میں لیکچر)	14
7	تعلیمات مجددیہ رحمۃ اللہ علیہ	32
8	مقامات قطبیہ و مقالات قدسیہ	38
9	مختصراتِ سلوک	63
10	خانقاہ کے شب و روز	68

دیباچہ

الحمد للہ شاہرائے معرفت کا دسواں شمارہ آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے اور قارئین کے لئے مفید بنائے۔ آمین۔

شمارۂ ہٰذا کا آغاز "حمدِ باری تعالیٰ اور "نعت شریف" پر مشتمل کلام سے کیا گیا ہے۔

اِس شمارہ میں ایک عارفانہ کلام جبکہ تین نثری مضامین شامل کئے گئے ہیں۔ پہلا مضمون ایک مقالہ ہے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ رخصت اور عزیمت میں سے رخصت پر عمل کیا جاسکتا ہے لیکن اس چیز کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے کہ بندہ اباحیت (ہر چیز جائز ہے) کی طرف نہ چلا جائے جبکہ دوسرا مضمون حضرت سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب دامت برکاتہم کا ایک میڈیکل یونیورسٹی اور ہسپتال میں ڈاکٹر حضرات، اساتذہ اور طلبا و طالبات سے فائنل ائیر کے فیئر ویل کے موقع پر بیان ہے جس میں حضرت نے ہدایت حاصل کرنے کے دو بڑے ذرائع (قرآن پاک اور سنت رسول ﷺ) کے بارے میں بتاتے ہوئے فرمایا کہ ہمارے لیے ہدایت کا اوّلین ذریعہ قرآن پاک ہے اور پھر آپ ﷺ کا طریقہ ہے۔ تیسرا مقالہ مختصراتِ سلوک میں سے شامل کیا گیا ہے جس میں حضرت نے علم کی تین قسموں کے بارے میں تحقیقی انداز میں رہنمائی فرمائی ہے۔

جیسا کہ قارئین کو معلوم ہے کہ ہر شمارہ میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات میں سے منتخب مکتوب شریف پیش کیا جاتا ہے۔ اس سے پہلے شمارے میں عقائد کی اہمیت پر مکتوبات کی تشریح چل رہی تھی۔ اس شمارے میں سب سے پہلے یہ بتایا گیا ہے کہ تاویل اسی جگہ پر کی جائے گی جہاں اس کی ضرورت ہوگی۔ اس کے بعد انہی عقائد کی مزید تشریح کی گئی جس میں عقیدے کے بارے میں درج ذیل چند ضروری باتوں کی تشریح کی گئی ہے۔

اگر ایک بار کوئی عقیدہ مان لیا جائے تو وہ موت تک جاری رہتا ہے جب تک کہ اس کے خلاف کوئی بات نہ کی جائے۔

آج کل عقیدے کی حفاظت کی بہت ضرورت ہے کیوں کہ سوشل میڈیا پر عقیدے کو خراب کرنے والے چیزیں بہت عام ہوگئی ہیں، ذرا سی بے احتیاطی کی وجہ

سے انسان کا عقیدہ خراب ہو سکتا ہے۔

عقیدے کے معاملے میں ہمیں کسی کی بھی پرواہ نہیں کرنی چاہیے کیوں کہ ہمارا معاملہ صرف اللہ تعالی کے ساتھ ہے ہمیں اللہ کے سواہ کوئی نہیں بچا سکتا۔

عقیدے پر استقامت اور اعمال میں ہمت کی ضرورت ہے کیوں کہ بے ہمتی انسان کو ضائع کر دیتی ہے۔

حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کے سلسلے میں، شمارۂ ہذا میں حضرت حلیم گل بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "مقاماتِ قطبیہ و مقالاتِ قدسیہ" کا درس نمبر 7 پیش کیا گیا ہے۔ چونکہ یہ بیان اعتکاف کے دوران ہوا تھا اس لیے اس کی ابتدا میں رویت ھلال کے بارے میں بتایا گیا ہے پھر چاروں سلسلوں کے بارے میں بتایا گیا ہے اور اس کے بعد کتاب "مقاماتِ قطبیہ و مقالاتِ قدسیہ" سے باب چہارم کے ذیل میں حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی محبت اور درد کے حالات کو بیان کیا گیا ہے۔

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ شمارۂ ہذا کا بغور مطالعہ فرمائیں اور اپنی کیفیات و آراء سے مطلع فرمائیں۔ اللہ کریم ہماری کامل اصلاح فرمائے اور ہمیں دائمی رضا سے نوازے۔ آمین۔

حمد باری تعالیٰ

ایک ہی

ایک ہی ہے کہ جو کھلاتا ہے
حق کا وہ راستہ دکھاتا ہے

جو کہ دشمن ہے ازلی اپنا
جس کو وہ چاہے وہ بچاتا ہے

ہم اگر رستے سے بھٹک جائیں
وہ ہمیں راستے پہ لاتا ہے

اس کو آنکھوں سے کوئی دیکھ نہ سکے
اپنے عاشق کے دل میں آتا ہے

حسنِ دنیا پہ جو دھوکہ کھائیں
ان کو بھی وہ ہی تو سمجھاتا ہے

یہ بھی اس کا ہی فضل ہے اے شبیرؔ
یہ جو تو لوگوں کو بتاتا ہے

نعت شریف

(حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی فارسی نعت شریف کا منظوم ترجمہ)

جب سے بنے ہیں دل کے جانان محمد ﷺ
سو جان سے کہے دل یہ مری جان محمد ﷺ

ہیں بلبلان بالا احمد ﷺ کے گلستاں کے
ہم لؤلؤ و مرجان ہیں عمان محمد ﷺ

ہیں غرق ہم گناہوں میں اور اس پہ عذر خواہ ہیں
خشک گھاس ہیں ہمارا ہے باران محمد ﷺ

زخموں کے گناہوں کے جو غم ہے ان کے واسطے
مرہم شفاعت آپ کی درمان محمد ﷺ

عاشق کا خون گرا ہے آج راہ عشق میں تو
کل حشر میں دلوائے تاوان محمد ﷺ

ہم طالبِ خدا ہیں، ہیں دینِ مصطفی ﷺ پر
کوچے کے ہم گدا ہیں سلطان محمد ﷺ

ہیں آپ کی بدولت افضل ہیں امتوں میں
رکھتے نہیں ہیں وہ جب برہان محمد ﷺ

مٹی کے پتلے گا تو، بھیج دل سے درود ان پہ
تاکہ سنے ہماری فغان محمد ﷺ

بوستان ہمارے میں کچھ اور نہ پڑھ معین اب
قرآن اپنا باغ ہے بوستان محمد ﷺ

عارفانہ کلام

نفس و شیطان کی کارگزاری

مرا نفس اُس سے مجھ کو تو کبھی ملنے نہیں دیتا
جو شیطاں ہے مجھے اللہ کا بننے نہیں دیتا

اگر میں بات اس کی مان لوں تو اور وہ مانگے
کسی اک بات پہ مجھ کو کبھی ٹکنے نہیں دیتا

مگر خوبی جو اس میں ہے کہ مانے جبر سے بھی یہ
ہلاؤ اس کو ہل جائے گو یوں ہلنے نہیں دیتا

طریقہ اس کی اصلاح کا ہے کہ مانو نہیں اس کی
بغیر اس کے کسی بھی طرح سنبھلنے نہیں دیتا

کوئی ہو رہنما اپنا جو گُر اصلاح کا جانتا ہو
کرائے اس سے جو ہم کو کبھی کرنے نہیں دیتا

دل اپنا بھی منور ہو کہ راستہ جان لے اپنا
کہ ہر گز حق کو گندہ دل کبھی پڑھنے نہیں دیتا

اگر ہو نفس گاڑی تو بنے دل اس کا ڈرائیور پھر
ہو ان میں نقص کسی میں آگے وہ بڑھنے نہیں دیتا

ذکر سے دل ہو ٹھیک اور نفس کو دینا جہد کی گولی
ہو رہبر ساتھ کہ داؤ شیطان کا وہ چلنے نہیں دیتا

چراگاہیں وہ جنت کی ملیں ہم کو چریں ان میں
مگر شیطان کبھی بھی مکر سے چرنے نہیں دیتا

جو شر ہے بڑھ رہا ہے خوب رکاوٹ خیر کے واسطے ہے
خدا سے ہم کو وہ ظالم کبھی ڈرنے نہیں دیتا

کریمی کا مگر در ہے کھلا رب کا کریں توبہ
کہ مایوسی کا کوئی لفظ وہ سننے نہیں دیتا

شبیرؔ پھر فضل رب کا ہو تو مقصد پورا ہو جائے
کبھی شیطاں جو دال اپنی ہے وہ گلنے نہیں دیتا

مطالعہ سیرت بصورتِ سوال

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ

اَمَّا بَعْدُ ۝ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

سوال:

حضرت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف سیرت النبی ﷺ کے حصہ ششم میں صفحہ نمبر 723 پر اسلامی آدابِ معاشرت کے بارے میں فرماتے ہیں:

"اسلام نے ان آداب میں بڑی لچک رکھی ہے یعنی ان میں جو اصلی اور بنیادی باتیں ہیں ان کی تو قرآن اور احادیث نبوی ﷺ میں پوری تاکید کی ہے اور اسی تاکید سے ان کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے لیکن ان میں بعض ایسے امور ہیں جو وقتی مصلحت، عرب کی ملکی معاشرت اور زمانے کے حالات کے بدلنے سے بدل سکتے ہیں اسی لئے ان کے متعلق کوئی ایسی تاکید نہیں کی جس سے ان کا شعار اسلامی ہونا ظاہر ہو یا ان کے چھوڑنے پر کوئی وعید فرمائی گئی ہو۔ یعنی اگر ان میں کوئی ایسا تغیر کیا جا ے جس سے اصل مقصد فوت نہ ہو بلکہ اس کی خوبی اور بڑھ جا ے تو وہ بُرا نہیں۔ لیکن اس اجازت کے با وجود ایک مرتبہ عشق و محبت کا ہے، جو لوگ اس راہ سے حضور ﷺ کی پیروی کا عزم رکھتے ہوں ان کے لئے زمانہ کچھ ہی بدل جائے مگر ان کے لئے وہی ادائیں محبوب ہیں جو محبوب سے نسبت رکھتی ہیں"

یہاں حضرت نے شریعت پر چلنے کا عام مسلمانوں کا طریقہ الگ بیان فرمایا ہے اور عشق و محبت والوں کا الگ طریقہ فرمایا ہے۔ ان میں فرق کیسے ہے جبکہ شریعت ایک ہی ہے اور ہر ایک نے اس پر عمل کرنا ہے چاہے وہ عشق و محبت والا ہے یا عام مسلمان ہے؟

جواب:

در اصل یہ عزیمت اور رخصت والے پہلو کی بات ہے۔ رخصت کی گنجائش ہے

لیکن عزیمت مستحسن ہے۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی شخص میں عزیمت کی اہلیت نہیں ہوتی، اس کو اس درجہ عشق و محبت نہیں ہوتی کہ وہ اس عزیمت کو برقرار رکھ سکے کیوں کہ اس کے ساتھ کچھ مشکلات ہوتی ہیں، اس کے کچھ مخصوص حالات ہوتے ہیں۔ عزیمت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بس آپ کو تھالی میں سجا کر دے دیا جائے کہ یہ لے لو۔ عزیمت کے لیے قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔ بعض لوگ مذاق بھی اڑاتے ہیں، اس کے علاوہ بھی مختلف قسم کی چیزیں ہوتی ہیں۔ ایسی صورت میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ ان کے اندر برداشت کرنے کی قوت ہے یا نہیں ہے۔ جن لوگوں میں برداشت کرنے کی طاقت نہیں ہوتی ایسے لوگ ٹوٹ جاتے ہیں بلکہ یہ معاملہ اتنا مشکل ہے کہ بعض لوگ جو کر سکتے ہیں وہ بھی نہیں کر پاتے، پیچھے رہ جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے رخصت پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔

البتہ کچھ حضرات کی تحقیق یہ ہے کہ رخصت پر اس لیے عمل کیا جائے کہ دین سے لگاؤ زیادہ ہو اور آسانی کے ساتھ شکر کے جذبات ابھریں۔ رخصت کا پہلو اختیار کرنے والوں کے لیے یہ ایک اچھی نیت ہے۔ البتہ رخصت کے لیے یہ ضروری ہے کہ مزاج اتنا صالح ہو کہ رخصت کے پہلو کو اختیار کرنے کے لیے اباحیت کی طرف نہ چلا جائے، کیونکہ ایک طرف اباحیت ہے دوسری طرف عزیمت ہے اور درمیان میں رخصت ہے۔ بعض دفعہ رخصت کو حکمتاً اختیار کیا جاتا ہے کہ کہیں آدمی عمل سے بالکل ہی نہ رہ جائے اور چلتا رہے۔ بعض حضرات رخصت اس لیے اختیار کرتے ہیں کہ شوق بڑھے اور عمل میں کمی نہ ہو، آسانی کے ساتھ شکر کا جذبہ پیدا ہو۔ یہ بھی مستحسن ہے۔ لیکن اباحیت سے بچنا ضروری ہے، اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ کہیں رخصت اباحیت کی طرف نہ چلی جائے۔ بعض لوگ تو بس "ہر چیز جائز ہے" پر عمل کرتے ہیں۔ عیسائیوں کی طرح جو چیز معمول بن جائے چاہے بری ہی کیوں نہ ہو اس کو مذہب کا حصہ بنا لیتے ہیں۔ یہ اباحیت ہے اور یہ بہت خطرناک بات ہے۔ جرمنی میں ایک مرتبہ میں نے اپنے ایک ساتھی سے کہا: کیا تم روزے رکھتے ہو؟ اس نے کہا: جی ہاں ہمارے مذہبی لوگ روزے رکھتے ہیں۔ گویا وہ لوگ خود کو آزاد سمجھتے تھے۔

یہ اباحیت والا پہلو بہت جلدی عام ہو جاتا ہے۔ ویڈیو بنانے والے مسئلہ میں اباحیت

کا پہلو ہی ہے جو عام ہو گیا ہے اور اس طرح عام ہو گیا کہ لوگوں نے ہر طرح کی ویڈیو بنانے کو جائز سمجھ لیا۔ جن حضرات نے فتوی دیا تھا انہوں نے صرف رخصت کے پہلو کا فتویٰ دیا تھا، جس کا مقصد یہ تھا کہ آج کل کے حالات کے مطابق اس طریقے سے دین کی Projection (صحیح طریقے سے پیش کرنا) بہتر انداز میں کی جاسکتی ہے، مگر لوگوں نے اس کو اباحیت بنا دیا۔ یہ ہمارے سامنے ایک بہت بڑی مثال ہے کہ انسان کیسے رخصت سے اباحیت کی طرف چلا جاتا ہے۔

یہ اباحیت کا معاملہ ہر چیز میں ہو سکتا ہے۔ لوگ شادی بیاہ میں ڈھول وغیرہ کے بارے میں دف والی روایت کو بنیاد بنا کر موسیقی کی باقی ساری چیزوں کو جائز قرار دیتے ہیں اور اباحیت کی طرف چلے جاتے ہیں۔

میں نے اس کے بارے میں دار العلوم دیوبند کا فتویٰ دیکھا ہے۔ اس میں لکھا ہے:

"کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں؛ کیا شادی میں دف بجانے کی اجازت ہے؟ اگر ہے تو اس کی کیا قیود و شرائط ہیں؟ کیا چاروں ائمہ کے نزدیک شادی پر دف بجانا جائز ہے؟ کیا بالغ مرد اور بالغ عورتیں دف بجا سکتی ہیں؟ کیا شادی کے موقع پر خاندان کے لوگوں اور دوسرے احباب کو مدعو کر کے ایسی تقریب کا انقاد کیا جاسکتا ہے؟ کیا شادی کے علاوہ بھی دف بجانے کی اجازت ہے؟ ایک اشکال یہ بھی ہے کہ دف بھی چونکہ موسیقی ہی ہے لہذا اگر دف بجانا جائز ہے تو دوسری موسیقی کی اقسام بھی جائز ہونی چاہئیں۔ برائے مہربانی اگر مفصل جوابات معہ حوالہ جات مل سکیں تو عین نوازش ہو گی۔

جواب:

اعلانِ نکاح کے لیے دف بجانا بشرطیکہ اس میں جلاجل نہ ہو، نیز ہیئتِ تطرب پر نہ بجایا جائے محض اعلانِ نکاح اور تشہیر کے لیے بجایا جائے تو مذکورہ بالا حدود و قیود کے ساتھ گنجائش ہے۔

قَالَ فِي الشَّامِيِّ: لَا بَأْسَ بِالدُّفِّ فِي الْعُرْسِ لِيَشْتَهِرَ وَفِي الْبَزَّازِيَّةِ: هٰذَا إِذَا لَمْ يَكُنْ لَّهُ جَلَاجِلُ وَلَمْ يُضْرَبْ عَلٰى هَيْئَةِ التَّطَرُّبِ (شامی: ۹/۵۰۵)

دف ڈفلی کو کہتے ہیں یہ ایک ہاتھ سے بجانے کا تھال نما ایک باجا ہے، عرب میں شادی کے موقع پر اس کو بجانے کا رواج تھا۔ مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ دف موسیقی سے خاص ہے، نیز دف بجانے سے مقصود اعلان ہوتا تھا کہ کچھ دھبدھباہٹ ہو جائے تاکہ لوگوں کو اس کی اطلاع ہو جائے۔

آج کل جو تشہیر کرتے ہیں وہ بھی دف بجاتے ہیں۔ وہ بھی اعلان کے لیے ہوتا ہے اس میں موسیقی نہیں ہوتی وہ صرف اعلان کے لیے ہوتا ہے اس کی دھن بھی الگ ہوتی ہے۔

آج کل کی موسیقی میں بالعموم دف والی چیزیں نہیں پائی جاتیں، ان میں جلاجل ہوتے ہیں اور ہیئت تطرّب پر ان کو بجایا جاتا ہے اور بذاتِ خود موسیقی مطلوب ہو جاتی ہیں، محض اعلان مقصود نہیں رہتا ایسی موسیقی کا بجانا اور اس کو سننا سب ناجائز و حرام ہیں۔ قرآن وحدیث میں اس پر سخت وعید آئی ہے:

قَالَ فِي الْبَزَّازِيَّةِ: اِسْتِمَاعُ صَوْتِ الْمَلَاهِيْ كَضَرْبِ قَصَبٍ وَنَحْوِهٖ حَرَامٌ لِّقَوْلِهٖ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ: "اِسْتِمَاعُ الْمَلَاهِيْ مَعْصِيَةٌ وَالْجُلُوْسُ عَلَيْهَا فِسْقٌ وَالتَّلَذُّذُ بِهَا كُفْرٌ" اَيْ بِالنِّعْمَةِ (در مختار مع شامي: ۹/ ۵۰۴)

وَالتَّفْصِيْلُ فِيْ اَحْكَامِ الْقُرْاٰنِ تَحْتَ قَوْلِهٖ تَعَالٰى: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ۔۔۔ الْاٰيَةِ"

دار العلوم دیوبند کے مندرجہ بالا فتوی سے پتا چلا کہ لوگ اس قسم کی رخصت اور گنجائش کو بہت جلدی اباحیت کی طرف لے جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں نفس با قاعدہ فعال ہوتا ہے، جب بھی کوئی بات ہوتی ہے وہ تھرکنے لگتے ہیں۔یقین جانیے میں نے اس قسم کی چیزیں دیکھی ہیں کہ بعض دفعہ ڈھول بجتا ہے تو اچھے اچھے شرفاء لوگ جن کے اندر یہ جراثیم ہوتے ہیں وہ تھرکنے لگتے ہیں اور بعض لوگ میدان میں بھی آ جاتے ہیں۔ اب اللہ پاک نے جن پہ پردہ رکھا ہے ان پہ پردہ رہنے دینا چاہیے ان لوگوں کا پردہ کیوں اٹھایا جائے جن کا پردہ اللہ تعالیٰ نے ابھی تک قائم رکھا ہوا ہے۔ ان چیزوں میں اباحیت کی طرف جانا بالکل خطرناک ہے اور اس سے بچنے کے لیے پہلے

اپنی تربیت ہو پھر گنجائش کو استعمال کیا جائے ورنہ عزیمت پر ہی عمل کیا جائے تاکہ اس کے ذریعے سے ہی تربیت ہو جائے۔

اباحیت سے بچنے کے لیے ہمیں پہلے اپنی تربیت کرانا ضروری ہے۔ ضروری ہے کہ مجاہدے کے ذریعے اپنے نفس کو زیر کر لیا جائے تاکہ وہ اباحیت کی طرف نہ جا سکے۔ پھر رخصت کا پہلو شوق کے لیے اختیار کرنا بالکل ٹھیک ہے۔ لیکن اس سے پہلے تربیت ضروری ہے۔ اور جو عزیمت اختیار کرتے ہیں، اسی عزیمت کے ذریعے ان کے نفس کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ یہی طریقہ کار کا فرق ہمیں تصوف کے سلسلوں میں بھی نظر آتا ہے۔ مختلف سلاسل میں یہ چیز موجود ہے۔ اگر دیکھا جائے تو نقشبندی سلسلے میں یہی طریقہ ہوتا ہے کہ پہلے جذب حاصل کیا جاتا ہے جو کہ عشق و محبت ہی کے ذریعے سے حاصل ہوتا ہے، پھر حالتِ جذب میں عزیمت پر عمل کرنا ممکن ہوتا ہے۔ پہلے عشق و محبت کے ذریعے جذب حاصل کیا جاتا ہے پھر اس جذب کے ذریعے عزیمت اختیار کی جاتی ہے پھر عزیمت کے ذریعے نفس کی تربیت بھی ہو جاتی ہے۔ وہ مجاہدات جو سالک کو عزیمت کی صورت میں پیش آتے ہیں وہی مجاہدات نفس کی تربیت کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔

اب اگر کوئی جذب حاصل کر لے لیکن عزیمت کا پہلو اختیار نہ کرے تو پھر نتیجہ مرتب نہیں ہو گا۔ عشق و محبت سے جذب حاصل ہو سکتا ہے وہ تو حاصل ہو جائے گا لیکن اگر اس سے آگے نہیں بڑھے، اس کے ذریعے عزیمت کو اختیار نہیں کیا اور اس کے ذریعے اپنے نفس کا علاج نہیں کیا اور سلوک طے نہیں کیا تو پھر جذب کا کوئی فائدہ نہیں، اسے وہ مراتب حاصل نہیں ہو سکتے، وہ محروم رہ جائے گا۔ اسی موضوع پر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوب نمبر 287 میں مفصل اور مکمل کلام فرمایا ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

ہمارا اصلی مقصد ہدایت کو حاصل کرنا ہے۔

(ایک میڈیکل یونیورسٹی میں ڈاکٹروں، اساتذہ اور طلبا و طالبات سے فائنل ائیر کے ٹیئر ویل کے موقع پر بیان، مورخہ 14 دسمبر، 2022)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ اَمَّا بَعْدُ ۞ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۞ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۞ الٓمّٓ ۝ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ ﴿ (البقرہ: ۱-۲)

❁ وَنَحْنُ نَقُوْلُ فِیْ سُوْرَۃِ الْفَاتِحَۃِ: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ﴿

❁ وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِیْدٌ ﴿ (ق: ۳۷)

❁ وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ﴿ الشمس: ۹-۱۰

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِیُّ الْكَرِیْمُ

معزز اساتذۂ کرام، عزیز طلباء اور عزیز ساتھیو! کائنات میں آخرت کے لحاظ سے ہدایت سے بڑی چیز کوئی نہیں ہے اور دنیا کے لحاظ سے عافیت سے بڑی چیز کوئی نہیں ہے۔ ہمیں دنیا میں عافیت چاہیے ہوتی ہے، خدانخواستہ کوئی پوری دنیا کی دولت کا مالک ہو لیکن اس کے پاس عافیت نہ ہو تو وہ روئے گا، پریشان ہو گا، مصیبت میں ہو گا اور اگر کسی کے پاس کچھ بھی نہ ہو لیکن وہ عافیت میں ہو، وقت پر اس کو وہ چیز مل جاتی ہو جو وہ چاہتا ہے تو وہ خوش ہو گا، دعا کرے گا اور شکر کرے گا۔ لہٰذا دنیا کے لحاظ سے عافیت بڑی چیز ہے اور آخرت کے لحاظ سے ہدایت بڑی چیز ہے۔ ہم اس دنیا میں اپنی

مرضی سے نہیں آئے ہیں اور اپنی مرضی سے جائیں گے بھی نہیں، آئے بھی اللہ پاک کی مرضی سے ہیں اور جائیں گے بھی اللہ پاک کی مرضی سے۔ پس اگر ہم درمیان کی زندگی بھی اللہ پاک کی مرضی کے مطابق گزاریں تو پھر ہمیں اللہ پاک ان شاء اللہ ایسی جگہ رکھیں گے، جہاں سب کچھ ہماری مرضی کے مطابق ہو گا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سب سے بڑی صفت یہ بتائی گئی ہے:

﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ (التوبہ: ۱۰۰)

ترجمہ: "اللہ ان سب سے راضی ہو گیا ہے، اور وہ اس سے راضی ہیں"۔

اللہ سے راضی ہو جانا ان کی سب سے بڑی صفت ہے۔ لہٰذا اگر ہم لوگ بھی اللہ پاک کی مرضی مان لیں اور اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق زندگی گزاریں تو وہاں پر سب کچھ ہماری مرضی کے مطابق ہو گا اور اگر ہم اپنے نفس کی خواہشات کے مطابق زندگی گزاریں، اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف زندگی گزاریں تو پھر قیامت میں ہماری کوئی مرضی نہیں چلے گی، پھر بات ایسی ہو گی کہ اگر انسان خون کے آنسو بھی روئے گا تب بھی فائدہ نہ ہو گا۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے ہمیں بہت بڑا موقع دیا ہے کہ یہاں کا ایک آنسو جہنم کی آگ کو بجھا سکتا ہے جبکہ وہاں خون کے آنسو رونے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگ اپنے نفس کی خواہش کی وجہ سے غلط کام اور گناہ کرتے ہیں، بعض دفعہ دوستوں کی وجہ سے کرتے ہیں، بعض دفعہ بڑوں کی وجہ سے کرتے ہیں، بعض دفعہ کسی رشتہ دار کی وجہ سے کرتے ہیں اور بعض دفعہ کسی اور کے کہنے پہ کرتے ہیں۔ قیامت کے دن جب حقیقت سامنے آئے گی تو بڑا عجیب منظر ہو گا۔ قرآن پاک میں اس کی با قاعدہ منظر کشی کی گئی ہے۔ روزِ قیامت گناہ کرنے والے اُن لوگوں کو پڑ جائیں گے جن کی وجہ سے گناہ کرتے تھے اور کہیں گے کہ ہم نے تمھاری وجہ سے ایسا کیا تھا، تم لوگوں نے ہمیں ایسا کہا تھا اس لئے ہم نے ایسا کیا، لہٰذا اب ہمیں بچاؤ۔ وہ لوگ کہیں گے کہ ہم خود پھنسے ہوئے ہیں تمہیں کیسے بچائیں، اور جو تم ہمیں کہہ رہے ہو کہ ہم نے تم سے گناہ کروائے، بات یہ ہے کہ اگر ہم نے تم کو کوئی بات کہی بھی تھی تو تم پہ کوئی زبردستی نہیں کی تھی، تم ہماری بات نہ مانتے۔ شیطان بھی ایسا ہی کہے گا۔

ہم یہاں جن کو اپنا سمجھتے ہیں، اگر ہم غلط راستے پر ہیں تو یقین جانئے یہ سب وہاں ہمیں disown (غیر تسلیم) کریں گے اور یہاں ہم جن کو اپنے آپ سے دور سمجھتے ہیں اگر ان کے مطابق کوئی اچھا کام کیا ہو گا تو وہی ہمارے کام آئے گا۔

سب سے بڑی بات جو عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہدایت کو حاصل کرنے کے لئے ہمارے پاس دو ذرائع ہیں۔ پہلا ذریعہ قرآن مجید ہے جیسا کہ اللہ پاک نے قرآن پاک میں فرمایا ہے:

﴿الٓمّٓ ۝ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾ (البقرہ: ۱-۲)

ترجمہ: الٓمّٓ۔ یہ کتاب ایسی ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں یہ ہدایت ہے ڈر رکھنے والوں کے لیے"

گویا ہدایت کا ایک ذریعہ تو قرآن ہے جبکہ ہدایت حاصل کرنے کا دوسرا بہت بڑا ذریعہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کا طریقہ ہے، اس ذریعہ کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ قرآن بھی اس کے بغیر سمجھ نہیں آ سکتا، ہم اپنے آپ سے قرآن بھی نہیں سمجھ سکتے۔ آپ ﷺ نے قرآن کی جو تشریح کی ہے، اس کے خلاف کسی اور تشریح کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

آج کل یہ بڑا الحاد پھیلا ہوا ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب قرآن موجود ہے تو حدیث شریف کی کیا ضرورت ہے۔ یقین جانیے اگر آپ حدیث شریف کو درمیان سے نکال دیں تو قرآن کی سمجھ ہی نہیں آئے گی۔

نبی کریم ﷺ کے مبارک دور کا واقعہ ہے کہ ایک صحابی (حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ) ماہ رمضان میں اپنے سامنے ایک سیاہ اور سفید دھاگا ساتھ ساتھ رکھا کرتے تھے، تب تک سحری کھانا بند نہیں کرتے تھے جب تک دونوں دھاگوں کے درمیان فرق صاف صاف نظر نہ آتا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ قرآن پاک میں آیا ہے:

﴿وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ﴾ (البقرہ: ۱۸۷)

ترجمہ: "اور اس وقت تک کھاؤ پیو جب تک صبح کی سفید دھاری سیاہ دھاری سے

ممتاز ہو کر تم پر واضح (نہ) ہو جائے"۔

اس سے ان صحابی رضی اللہ عنہ نے یہ سمجھا کہ اس آیت میں خیطِ ابیض اور خیطِ اسود کے صاف نظر آنے تک کھاتے پیتے رہنے سے مراد یہ ہے کہ تب تک کھا پی سکتے ہو جب تک کہ حقیقی دھاگے صاف نظر آنا شروع ہو جائیں۔

جب دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو پتا چلا تو وہ انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے اور بتایا کہ یہ اس طرح کر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا تو انہوں نے عرض کیا کہ قرآن میں ایسا ہی لکھا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن پاک میں خیطِ ابیض اور خیطِ اسود سے مراد دھاگے نہیں بلکہ افق کی سفیدی اور سیاہی مراد ہے، جب یہ سفیدی اور سیاہی ایک دوسرے سے ممتاز ہو جائیں تب فجر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔

اب دیکھئے کہ قرآن پاک کی آیت کی یہ تشریح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے۔ میں نے یہ صرف ایک مثال دی ہے۔ علماء کرام فرماتے ہیں کہ قرآن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مُفَصَّل ہے اور ہمارے لئے مُجمَل ہے۔ اگر ہمیں اس کے متعین معانی معلوم نہ ہوں تو ہم اس کے کئی معانی کر سکتے ہیں، لہٰذا ہمیں صرف وہ معانی لینے ہوں گے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائے ہیں کیونکہ قرآن پاک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مفصل ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے صحیح معانی جانتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تفصیل کے ساتھ یہ معانی معلوم ہیں۔

ایک اور اہم بات عرض کرنا چاہوں گا کہ جب ہمیں معلوم ہو گیا کہ قرآن پاک ہدایت کا اولین ذریعہ ہے، جس کے شارح اور مفسّر اوّل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، تو اب ہمیں قرآن کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول شدہ صحیح معنوں کو جاننے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرف سے کوئی طریقہ معلوم ہونا چاہیے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گزشتہ امتوں میں سے یہود میں اکھتر (71) فرقے ہو گئے اور نصاریٰ میں بھتر (72) فرقے ہوئے جبکہ میری امت میں تہتر (73) فرقے ہوں گے جن میں سے صرف ایک جنت میں جائے گا۔ اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے پوچھا: یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) جنت میں جانے والے کون ہوں گے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِيْ" (سنن ترمذی: ۲۶۴۱)

ترجمہ: "(جنت میں جانے والے لوگ وہ ہوں گے جو اس راستے پر چلیں گے) جس راستے پر میں ہوں اور میرے صحابہ ہیں"

نبی کریم ﷺ نے اپنے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو دین کے فہم میں شریک کیا۔ یعنی میری بات کی وہ تشریح قبول ہو گی جو میرے صحابہ نے سمجھی ہے، اس کے مطابق چلو گے تو نجات پاؤ گے ورنہ نہیں۔

پس اگر کسی حدیث شریف کی تشریح حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے کی ہے تو آج کا کوئی بڑے سے بڑا سکالر اس کو چیلنج نہیں کر سکتا۔ اسی طرح حدیث شریف کی وہی تشریح قابل قبول ہو گی جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کی ہے، یا جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کی ہے یا کسی اور صحابی نے کی ہے، ہم صرف اسی کو مانیں گے۔

میں آپ کے سامنے یہ باتیں اس لئے عرض کر رہا ہوں کہ آج کل اس قسم کے الحاد موجود ہیں، آج کل یہ چیزیں معاشرے میں پائی جاتی ہیں، لوگوں کے ایمانوں پہ ڈاکہ ڈالا جاتا ہے۔

بہر حال میں عرض کر رہا تھا کہ ہمارے پاس ہدایت کا دوسرا بڑا ذریعہ نبی کریم ﷺ کا طریقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ (آل عمران: ۳۱)

ترجمہ: "(اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا"۔

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب: ۲۱)

ترجمہ: "حقیقت یہ ہے کہ تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات میں ایک بہترین نمونہ ہے"۔

لہٰذا اگر ہم اپنی زندگی صحیح کرنا چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا چاہتے ہیں تو پھر ہمارے لئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی پیروی میں حضور ﷺ کا طریقہ اپنانے کے سوا اور کوئی راستہ نہیں ہے۔

اب میں اصل بات کی طرف آتا ہوں۔ بات یہاں سے شروع ہوئی تھی کہ ہمارا

مقصد ہدایت کو حاصل کرنا ہے، اس کے لئے اللہ پاک نے فرمایا کہ ایک تو قرآن ہدایت کے حصول کا ذریعہ ہے، دوسرے نمبر پہ حضور ﷺ کا طریقہ ہدایت کے حصول کا ذریعہ ہے۔ اس سے ہمیں معلوم ہو گیا کہ ہمیں قرآن پاک اور حضور ﷺ کے طریقہ مبارکہ سے ہدایت حاصل ہو گی۔ اب ان ذرائع سے ہدایت حاصل کرنے میں کچھ رکاوٹیں پیش آتی ہیں، لہٰذا ہمارا اگلا کام ان رکاوٹوں کو دور کرنا ہے۔

مثلاً ایبٹ آباد ہمارے علاقے سے بہت قریب ہے لیکن دونوں علاقوں کے درمیان پہاڑ ہیں، اگر اس پہاڑ کو عبور کر لیں تو ایبٹ آباد قریب ہے، لہٰذا ایبٹ آباد تک پہنچنے کے لیے اس پہاڑ کو عبور کرنا پڑے گا۔ اسی طرح سیدھے راستے (صراطِ مستقیم) پر بھی منزل تک پہنچنے سے پہلے بھی کچھ رکاوٹیں ہیں، اگر ہمیں منزل تک پہنچنا ہے تو ان رکاوٹوں پہ قابو پانا پڑے گا۔ ان میں سے ایک رکاوٹ ہمارا نفس ہے اور دوسری رکاوٹ شیطان ہے۔ یہ شیطان بھی ہمارے ساتھ پیدا ہوا ہے۔ ایک تو بڑا شیطان ہے، وہ پہلے سے پیدا ہو چکا ہے اور ایک اس کی ذُرِّیَّت ہے، اس میں ہر آدمی کے ساتھ ایک شیطان پیدا ہوتا ہے۔ جب نبی کریم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ ہر آدمی کے ساتھ شیطان ہے تو آپ ﷺ سے پوچھا گیا: یارسول اللہ! کیا آپ کے ساتھ بھی؟ فرمایا: ہاں، لیکن میرا شیطان مسلمان ہو چکا ہے۔ لہٰذا راہ حق پہ چلنے میں دو رکاوٹیں ایسی ہیں جو ہر آدمی ساتھ لے کر پیدا ہوتا ہے، ان میں سے ایک شیطان ہے اور دوسری نفسِ اَمّارہ ہے۔

اللہ جل شانہ نے تزکیۂ نفس کی بات سمجھانے کے لئے قرآن پاک میں سورۃ شمس میں اس کی تفصیل نازل فرمائی ہے آپ حضرات اس کو خود پڑھ سکتے ہیں، سورہ شمس میں اللہ پاک سات قسمیں کھاتا ہے، سورج کی قسم، چاند کی قسم، زمین کی قسم، آسمان کی قسم، دن کی قسم، رات کی قسم، نفس کی قسم۔ سات قسمیں کھا کر اللہ پاک یہ بات فرماتے ہیں کہ جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کر لیا وہی کامیاب ہو گا۔

غور کریں، اللہ پاک کو تو ایک قسم کھانے کی ضرورت بھی نہیں تھی لیکن ہمارے لئے اللہ پاک سات قسمیں کھا کر ارشاد فرماتے ہیں کہ اس نفس کے اندر میں نے دو چیزیں رکھی ہیں، اس کے فجور اور اس کا تقویٰ۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فجور کا راستہ بھی نفس سے گزرتا ہے اور تقویٰ کا راستہ

بھی نفس سے گزرتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اگر ہم نے نفس کی خواہشات مان لی اور اللہ کا حکم چھوڑ دیا تو یہ فجور ہے اور اگر ہم نے اللہ کے حکم کو مان لیا اور نفس کی خواہش کو چھوڑ دیا تو یہ تقویٰ ہے۔

اس لئے بزرگوں نے ایک عجیب بات فرمائی ہے کہ "ہماری نفسانی خواہشات ہمارے تقویٰ کے حمام کے خس و خاشاک ہیں"۔ یعنی ہماری نفسانی خواہشات جلیں گی تو تقویٰ پیدا ہو گا۔

مثلاً ایک اندھا آدمی کہتا ہے کہ میں بد نظری نہیں کرتا، تو اس کو بد نظری نہ کرنے کا کوئی ثواب نہیں ملے گا کیونکہ وہ بد نظری کر ہی نہیں سکتا، البتہ جو آدمی بد نظری کر سکتا ہے لیکن اختیاری طور پر نہیں کرتا، چونکہ یہ اللہ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے بد نظری نہیں کر رہا اس لئے اسے پورا اجر ملے گا۔ اجر تب ملتا ہے جب انسان ایک برائی کر سکتا ہو، اس کے با وجود برائی سے رکا رہے۔ مثلاً نماز کا وقت داخل ہی نہیں ہوا تو اس وقت نماز نہ پڑھنے والا گناہ گار نہیں ہے لیکن جب وقت داخل ہونے کے با وجود نماز نہیں پڑھی تو یہ گناہ گار ہے اور اسے اس گناہ کی سزا ملے گی۔ اسی طرح اگر روزہ ابھی فرض ہی نہیں ہوا تو روزے نہ رکھنے پر کوئی ملامت نہیں ہے لیکن اگر رمضان شریف آگیا تو ہر بالغ مرد و عورت پہ روزے رکھنا فرض ہو گیا، اگر اب یہ نہیں رکھیں گے تو گناہ گار ہیں۔

جب گناہ کا امکان پیدا ہو جاتا ہے تو ثواب کا امکان بھی پیدا ہو جاتا ہے، جب تک گناہ کا امکان نہیں ہوتا تب تک ثواب کا بھی امکان نہیں ہوتا، یہ دونوں چیزیں نفس کے ذریعے ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ لہٰذا ہمیں اپنے نفس کی فہمائش کرنی پڑے گی۔ یہ "فہمائش" میں نے ذرا نرم لفظ استعمال کیا ہے، اصل میں اس کے ساتھ کچھ اور بھی شامل ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ "عقل مند ہے وہ شخص جس نے اپنے نفس کو قابو کیا اور آخرت کے لئے کام کیا"۔

یعنی انسان کی عقل مندی یہ ہے کہ اپنے نفس کی بات نہ مانے بلکہ اس سے اپنی بات منوائے، لیکن یہ کام دنیا کے لئے نہ ہو بلکہ آخرت کے لئے ہو۔ یہاں پر "**إِنَّمَا**

اَلْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ" کی بات آتی ہے، اس کے عمل کا دار و مدار اس بات پر ہوتا ہے کہ اس کی نیت دنیا کی ہے یا آخرت کی ہے۔ مثلاً ایک ڈاکٹر مریض کی خدمت اس لئے کرتا ہے کہ اسے کچھ زیادہ پیسے مل جائیں یا اس کی شہرت اچھی ہو جائے اور لوگ کہیں یہ تو بڑا اچھا ڈاکٹر ہے، تو اس عمل سے مقصود دنیا کا فائدہ ہے، یہ تو حاصل ہو جائے گا، لیکن آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہو گا۔ اس کے بر عکس جو آدمی مریض کی خدمت اس لئے کرتا ہے کہ میں ڈاکٹر ہوں، یہ مریض ہے اور اس کی خدمت کرنا مجھ پر اس کا حق ہے، بے شک میں اس سے فیس لے لوں لیکن اس کا مجھ پر حق ہے کہ میں اس کو وقت دوں، اس کی بیماری کی تشخیص کروں اور علاج تجویز کروں، اس کو جتنے وقت اور توجہ کی ضرورت ہے وہ اس کو دوں، میں اس کے کام آ جاؤں اور اس سارے عمل کا مقصد اللہ کی رضا ہو، تو اس کا یہ عمل آخرت کے لئے ہو گا، بے شک ڈاکٹر اپنے پیسے بھی لے لے، پیسے لینے میں کوئی حرج نہیں ہے وہ تو ڈاکٹر کی فیس ہے، کیونکہ ڈاکٹر نے اپنی تعلیم اور مہارت پر پیسہ خرچ کیا سرمایہ لگایا ہے لہٰذا اس کے لئے اپنی فیس لینا جائز ہے لیکن اس کی نیت چونکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی ہے اس پر اسے اجر ملے گا۔

یہ آپ کے قریب ہی ڈاکٹر عجب خان صاحب میجر جنرل ریٹائر ہوئے ہیں، یہ میرے دوست تھے، ان کے پاس میں اپنے بچوں کو علاج کے لئے لے جاتا تھا۔ جب میں ان کے پاس جاتا تو یہ اپنے آپ کو برا بھلا کہنا شروع کر دیتے تھے، کہتے کہ مجھ میں اور ایک ہندو ڈاکٹر میں کیا فرق ہے، وہ بھی فیس لیتا ہے میں بھی فیس لیتا ہوں، یہ میں کوئی اچھا کام نہیں کر رہا۔ اس طرح اپنے آپ کو کوسنا شروع کر دیتے۔ ایک مرتبہ میں نے کہا: ڈاکٹر صاحب آپ کیا بات کر رہے ہیں آپ تو بالکل جنت کے دروازہ پہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ کہنے لگے کہ وہ کیسے؟ میں نے کہا: موسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے ایک اسرائیلی روایت میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "**میں ٹوٹے ہوئے دلوں کے ساتھ ہوں**" جس کی تائید بعض احادیث شریفہ کے ملتے جلتے الفاظ مبارکہ سے بھی ہوتی ہے۔ بھلا مریض سے زیادہ دل کس کا ٹوٹا ہوا ہو گا۔ آپ بے شک اس سے اپنی فیس لے لیں لیکن اس کو مقررہ وقت دیں۔اس کو commodity (خرید و فروخت کی کوئی جنس)

نہ سمجھیں بلکہ اسے انسان سمجھیں، آپ کے ذمے اس کا جتنا حق بنتا ہے اس حق کو ادا کریں تو ان شاء اللہ اس کے دل سے جو دعائیں نکلیں گی، وہ آپ کے جنت میں داخلے کا سبب بنیں گی۔ یہ سن کر ڈاکٹر صاحب نے کہا: کیا آپ یہ بات مجھے لکھ کر دے سکتے ہیں؟ میں نے کہا: کیوں نہیں، یہ تو حدیث شریف ہے۔ میں نے انہیں لکھ کر دے دی، جب اگلی دفعہ ان کے ہاں گیا تو انہوں نے اس حدیث شریف کو بڑا خوبصورت لکھوا کر فریم کروا کے اپنے سامنے لگایا ہوا تھا۔ یہ بات ڈاکٹر عجب خان صاحب کے لئے نہیں ہے بلکہ سب ڈاکٹروں کے لئے ہے۔

ہمیں کوئی بھی کام کرنے کا اختیار ہے لیکن اللہ پاک نے ہر کام کے نتیجے کی رہنمائی بھی کی ہوئی ہے، اگر ہم اس رہنمائی کے مطابق عمل کریں گے تو دنیا و آخرت دونوں کے لحاظ سے فائدے میں رہیں گے۔ وہ رہنمائی یہ ہے کہ فرمایا:

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا﴾ (الشمس: ۹-۱۰)

ترجمہ: "فلاح اسے ملے گی جو اس نفس کو پاکیزہ بنائے۔ اور نامراد وہ ہو گا جو اس کو (گناہ میں) دھنسا دے"۔

لہٰذا وہ شخص جس نے اپنے نفس کو رذائل سے پاک کر لیا وہ کامیاب ہو گا جبکہ وہ شخص جس نے اپنے نفس کو ویسے ہی ملیا میٹ رہنے دیا جیسے گند میں وہ پڑا ہوا تھا، اس پہ کوئی محنت نہیں کی وہ تباہ و برباد ہو جائے گا۔

اس سے پتا چلا کہ تقویٰ حاصل کرنے کے لئے محنت کی ضرورت ہے مگر غلطیاں کرنے کے لئے محنت کی ضرورت نہیں ہے وہ خود بخود ہو رہی ہیں۔ آپ کسی بھی گھر کو کھلا چھوڑ دیں، اس میں کوئی صفائی وغیرہ نہ کریں تو وہ کچھ ہی عرصہ میں گندا ہو جائے گا، اسی طرح اگر آپ اپنے اوپر محنت نہ کریں تو کچھ ہی عرصہ میں آپ کی حیثیت کیا سے کیا ہو جائے گی۔ صفائی کے لئے محنت ہے، اچھائی کے لئے محنت ہے، تقویٰ کے لئے محنت ہے، نیک کاموں کے لئے محنت ہے جبکہ برائی کے لئے محنت نہیں ہے، بس یہی کافی ہے کہ جو ہو رہا ہے وہ ہونے دیں۔ آپ ﷺ نے یہی فرمایا کہ "عقل مند وہ ہے جس نے اپنے نفس کو قابو کیا اور آخرت کے لئے کام کیا اور عاجز (بے وقوف) وہ ہے جس نے اپنے نفس کو اسی طرح کھلا چھوڑ دیا اور جو کرنا چاہتا تھا وہ کرنے دیا، محض

تمناؤں سے گزارا کرتا رہا"۔

تمناؤں سے مراد ہے لمبی لمبی امیدیں باندھنا، حقیقت کے خلاف باتیں کرنا، برا عمل کر کے اچھے نتائج کی امید رکھنا۔ جیسے شاعرانہ طبیعت کے لوگ کہتے ہیں کہ اللہ پاک تو بڑا غفور و رحیم ہے وہ اپنے کسی بندے کو جہنم میں جلتا ہوا بھلا کیسے دیکھ سکتا ہے۔

خدا کے بندو! یہ سب باتیں قرآن پاک میں موجود ہیں، کیا قرآن میں دوزخ کا ذکر سارا صفر کے برابر ہے؟ آپ اس کو شاعری سے اڑا دیں گے؟ یہ شاعری نہیں ہے، یہ تو حقائق ہیں، حقائق کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ بلا شبہ اللہ بہت غفور و رحیم ہے، یہ اس کی صفت ہے لیکن یہ صفت کن لوگوں کے لئے ہے یہ بھی اللہ پاک نے بتا دیا ہے، فرمایا:

﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا﴾ (الزمر: ۵۳)

ترجمہ: "کہہ دو کہ: "اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کر رکھی ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔ یقین جانو اللہ سارے کے سارے گناہ معاف کر دیتا ہے"۔

جو توبہ کرتا ہے اس کے لئے اللہ پاک **توّاب** اور **رحیم** ہے، اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ مثلاً ایک ساٹھ سال کے گناہ گار آدمی کو احساس ہو گیا کہ میں کیا کر رہا ہوں اور اس نے توبہ کر لی تو اللہ پاک کے لئے یہ کوئی مشکل کام نہیں کہ اس کے ساٹھ سال کے گناہ ایک ہی لمحہ میں ختم کر دے۔ ایسا کئی مرتبہ ہو بھی چکا ہے، میں آپ کو مثالیں دے سکتا ہوں۔ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ بڑے ولی اللہ گزرے ہیں۔ یہ پہلے ڈاکو ہوا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کہیں ڈاکہ ڈال رہے تھے، جس گھر میں ڈاکہ ڈال رہے تھے اس گھر کا مالک قرآن پاک کی تلاوت کر رہا تھا، جب یہ وہاں پہنچے تو ان کے کانوں میں یہ آیت پڑی:

﴿اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ﴾ (الحدید: ۱۶)

ترجمہ: "جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، کیا ان کے لیے اب بھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر کے لیے اور جو حق اترا ہے اس کے لیے پسیج جائیں؟"۔

اتنا سننا تھا کہ یہ لرز گئے اور واپس جا کر توبہ کر لی، جن لوگوں کے ہاں ڈاکے ڈالے تھے، یاد کر کر کے ان کو ان کے سارے مال واپس کیے اور جن کو واپس نہیں کر سکے ان سے معافی مانگی۔ اس کے بعد اپنے نفس کی اصلاح کے لئے بہت بڑے شیخ کی خدمت میں رہ کر اپنے نفس کی اصلاح کروائی یہاں تک کہ بعد میں خود بہت بڑے شیخ بن گئے۔

اللہ پاک نے دروازے کھلے رکھے ہیں کسی کے لئے بند نہیں کیے لیکن اگر کوئی اس دروازے میں داخل ہونا ہی نہ چاہے تو کیا کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً ایک ہال میں انواع و اقسام کی نعمتیں ہوں اور آپ کو چابی دے دی جائے کہ یہ اس ہال کی چابی ہے، اس سے دروازہ کھول کے اندر چلے جاؤ اور جو چاہے کھا لو، مگر آپ باہر کھڑے رہیں، اس چابی کو استعمال کر کے اندر نہ جائیں تو ظاہر ہے آپ اس ہال کی نعمتوں سے کچھ فائدہ نہ اٹھا سکیں گے۔ اگر ساری چیزیں موجود ہیں اور آپ کے پاس چابی بھی ہے لیکن آپ اس چابی کو استعمال کر کے اندر نہیں جا رہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اندر جانا ہی نہیں چاہتے اور جب اندر نہیں جانا چاہتے تو پھر وہ چیزیں آپ کے لئے نہیں ہیں بلکہ ان کے لئے ہیں جو اندر جائیں گے۔

لہٰذا اگر ہم لوگوں کو حضور ﷺ کے طریقہ پر چلنے کی توفیق ہو جائے تو ہمارے لیے ہدایت موجود ہے۔

میں نے بیان کے آغاز میں ایک آیت یہ بھی پڑھی تھی:

﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِیْدٌ﴾ (ق: ۳۷)

ترجمہ: "یقیناً اس میں اس شخص کے لیے بڑی نصیحت کا سامان ہے جس کے پاس دل ہو، یا جو حاضر دماغ بن کر کان دھرے"

دیکھیے، دو باتیں ہیں، یا تو انسان کی آنکھیں ٹھیک ہوں اور وہ از خود دیکھ سکے، دوسری بات یہ ہے کہ وہ خود نہ دیکھ سکتا ہو، ایسے شخص کے لئے یہ طریقہ ہے کہ وہ ان کے پیچھے چلے جو دیکھ سکتے ہیں۔ یہی دو طریقے ہیں، ان کے علاوہ اور کوئی طریقہ نہیں ہے۔ اگر انسان بینا ہے تو وہ خود صحیح راستے پہ جائے گا اور اگر خود بینا نہیں ہے تو جو لوگ بینا ہیں ان کے پیچھے پیچھے جائے گا تب ہی بچے گا ورنہ کسی کھائی میں گر جائے گا یا ٹھوکر

کھا لے گا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص خود دل والا ہے، اس کو تو قرآن خود ہدایت دے گا، جس وقت وہ قرآن پڑھے گا، قرآن اس پہ اثر کرے گا، نتیجتاً وہ اس سے ہدایت حاصل کر لے گا اور اگر خود دل والا نہیں ہے تو اس شخص سے قرآن کے مضامین اور قرآن پاک کی بات سن لے جس پہ قرآن اثر کر چکا ہے اور ہدایت دے چکا ہے۔

حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں، ایک مرتبہ ان کے پاس کچھ لوگ گئے تھے، حضرت نے ان پہ تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ "افسوس! لوگ خود جانتے نہیں اور جو جانتے ہیں ان کی مانتے نہیں"۔ واقعتاً! یہی بات درست ہے کہ یا تو خود جانو یا پھر جاننے والوں کی مانو۔ میں آپ کو اپنا واقعہ سناتا ہوں، آپ سن کر حیران ہوں گے۔ جب میں PIEAS (پیاس یونیورسٹی) میں تھا تو ایک مرتبہ تین پی ایچ ڈی حضرات میرے سامنے بیٹھ گئے، ان میں سے دو میرے اساتذہ تھے۔ بات چیت کے دوران وہ کہنے لگے کہ شبیر صاحب! آئن سٹائن کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ میں نے کہا: وہ بہت بڑے سائنس دان تھے، بڑا نام کمایا، سائنس کی بڑی خدمت کی، لوگوں نے انہیں بڑی عزت دی ہے۔ اب میں آئن سٹائن کی اس سے زیادہ تعریف تو نہیں کر سکتا تھا، میں نے اس کی اتنی تعریف کر دی جتنا وہ مستحق تھا۔ انہوں نے کہا: ہمارا سوال اس بارے میں ہے کہ وہ جنت میں جائے گا یا نہیں؟ میں نے کہا: وہ میری domain (دائرہ کار) نہیں ہے، وہ تو اللہ تعالیٰ کا کام ہے، اللہ پاک نے جو فرمایا اس کے مطابق میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ میری معلومات کے مطابق وہ مسلمان نہیں تھا اور جو مسلمان نہ ہو وہ جنت میں نہیں جا سکتا، اگر آپ کو پتا ہو کہ وہ مسلمان ہو چکا تھا تو مجھے بھی بتا دیں مجھے خوشی ہو گی، ایسی صورت میں اس کے جنت میں جانے کا امکان بھی ہو گا۔ پروفیسر صاحبان کہنے لگے کہ کیا جنت جانے کے لئے مسلمان ہونا ضروری ہے؟ یہ تین پی ایچ ڈی مسلمان ڈاکٹروں کی باتیں بتا رہا ہوں۔ اس وقت حالات یہاں تک پہنچ گئے ہیں کہ مسلمانوں میں ایسی باتیں ہوتی ہیں۔ بہرحال میں نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب اللہ پاک نے جو فرما دیا ہے ہم اسے تبدیل نہیں کر سکتے اور اللہ کا فرمان یہی ہے کہ غیر مسلم جنت میں نہیں جائے گا، جنت تو چھوڑو غیر مسلم خانہ کعبہ میں بھی نہیں جا سکتا، مدینہ منورہ نہیں جا سکتا، بے شک وہ کتنا ہی بڑا سائنس

دان کیوں نہ ہو یا مخلوق کی کتنی بڑی خدمت کیوں نہ کر رہا ہو، وہ کچھ بھی کر رہا ہو یہ معاملہ اس پر بند ہے، دنیا میں اسے جتنا مل گیا اس کے لئے وہی ہے۔ یہ سن کر ان میں سے ایک استاذ کہنے لگے: شبیر صاحب! اپنے ذہن کو تھوڑا سا وسیع کر لیں۔ میں نے کہا: ڈاکٹر صاحب! مجھے اتنا تنگ نظر رہنے دیں کہ میں مسلمان اور کافر میں فرق کر سکوں، اتنی تنگ نظری میری ضرورت ہے، میں اتنا وسیع النظر نہیں بن سکتا کہ مسلمان اور کافر کی تمیز بھی ختم کر دوں۔

اس وقت یہ صورتِ حال ہے کہ کہ اگر ہم لوگ اپنے بچوں کی حفاظت نہیں کریں گے تو وہ الحاد کے راستوں میں بھٹک جائیں گے، اس وقت بڑی تیزی سے الحاد کے راستے بن رہے ہیں، لوگ اس طرف جا رہے ہیں اور بڑی خوشی خوشی جا رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر نفس کی اصلاح نہ ہوئی ہو اور انسان کے سامنے نفس کی کسی خواہش کا تقاضا آ جائے، اب ایک طرف ایک متقی عالم کہے کہ یہ کام نا جائز ہے، دوسری طرف کوئی اور سکالر ہے جو دین دار نہیں ہے وہ کہہ دے کہ یہ کام جائز ہے، اِدھر اس کا نفس بھی چاہتا ہے کہ وہ یہ کام کرے تو ایسی صورت میں وہ آدمی کس کی بات مانے گا، ظاہر ہے اگر نفس کی اصلاح نہیں ہوئی تو دوسری طرف ہی جائے گا اور یہی تباہی ہے۔

آج کل ایسی باتیں چل رہی ہیں، ہم اکثر سنتے ہیں، لوگ بڑے دھڑلے سے کہتے ہیں کہ موسیقی روح کی غذا ہے۔ خدا کے بندو! موسیقی روح کی غذا نہیں بلکہ نفس کی غذا ہے۔ آپ ﷺ نے تو یہ فرمایا ہے کہ میں مزامیر (آلات موسیقی) کو توڑنے کے لئے مبعوث ہوا ہوں۔ تم نے اس کو کیسے جائز قرار دے دیا۔

اب جو آدمی موسیقی کا شوقین ہے، جب وہ اس طرح کے دلائل سنے گا وہ موسیقی کو جائز سمجھ کر اس گناہ میں پڑ جائے گا۔ دیکھیں ایک آدمی گناہ سمجھتے ہوئے موسیقی سنتا ہے تو اگرچہ وہ گناہ گار ضرور ہے لیکن کم سے کم اس کا ایمان بچا ہوا ہے۔ اور جو آدمی یہ سمجھے کہ موسیقی جائز ہے، اِس کو گناہ ہی نہ سمجھے، اس کا معاملہ خطرناک ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ اور اللہ کے رسول کے مقابلہ میں بات کر رہا ہے اور یہ بڑا خطرناک معاملہ ہے۔ اگر ایک انسان بڑے سے بڑا گناہ کر رہا ہو مگر اسے گناہ سمجھتا ہو تو کم سے کم اس کا ایمان بچا رہتا ہے لیکن اگر وہ اس گناہ کو گناہ نہ سمجھے، بے شک

چھوٹے گناہ ہی کیوں نہ ہوں تو معاملہ خطرناک ہے، اس کا ایمان خطرے میں ہے۔ یہ ہم فتویٰ نہیں لگا رہے بلکہ یہ بتا رہے ہیں کہ اس طرح ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے لہٰذا ہمیں اپنے آپ کو سنبھالنا ہو گا اور اپنے ایمان کو بچانا ہو گا۔

حضرات و خواتین! بڑی خوشی کی بات ہے کہ آپ سے بات کرنے کا موقع ملا، ہم چاہتے ہیں کہ یہ پیغام نوجوانوں تک پہنچائیں۔ آپ لوگ نوجوان ہیں، یقین جانیے کہ آپ کے پاس زندگی کے بہترین دن اور راتیں ہیں۔ کہتے ہیں:

در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبریست
وقت پیری گرگ ظالم میشود پرہیزگار

جوانی میں توبہ کرنا پیغمبروں کا شیوہ ہے، بڑھاپے میں تو بھیڑیا بھی پرہیزگار ہو جاتا ہے۔

مثلاً اللہ نے ایک شخص کی کل عمر ساٹھ سال لکھی ہے، اس نے بیس سال کی عمر میں توبہ کر لی تو اس کو چالیس سال نیک کام کرنے کا موقع مل گیا۔ دوسرے آدمی کو تیس سال کی عمر میں توبہ کی توفیق ہوئی تو اس کو تیس سال مل رہے ہیں، کسی کو چالیس سال کی عمر میں توبہ کی توفیق ہوئی تو اسے بیس سال مل رہے ہیں، کسی کو بالکل آخری دن توبہ کی توفیق ہوئی تو اس کو ایک دن مل گیا ہے، اگرچہ اس کے گناہ معاف ہو گئے ہیں لیکن وہ ساٹھ سال جو محنت کر سکتا تھا نیکیاں کما سکتا تھا وہ اب نہیں کر سکتا۔ اس سے کم عرصے میں توبہ کرنے والے اس سے مرتبہ میں بڑھ گئے۔ میں آپ کو یہی پیغام دینا چاہتا ہوں کہ ماشاء اللہ آپ نوجوان ہیں، آپ لوگوں کو اللہ پاک نے جو وقت اور ذہن دیا ہوا ہے جو صلاحیتیں دی ہوئی ہیں، جو جوانی کی طاقت دی ہوئی ہے اگر آپ یہ سب صلاحیتیں اللہ کی رضا کے کاموں میں استعمال کر لیں تو آپ لا تعداد نیکیاں کما لیں گے۔ اللہ کا آپ پر یہ بہت بڑا کرم ہے۔

غالباً یہ 1971 کی بات ہے، جب میں نے اسلامیہ کالج میں داخلہ لیا تو کچھ لوگوں

نے کہا: یہاں پر ایک بزرگ ہیں، وہ کچھ دیر بات چیت کیا کرتے ہیں، بہت نیک آدمی ہیں۔ میں نے کہا ٹھیک ہے اور ان کی مجلس میں جانے لگا، یہ بزرگ پروفیسر مولانا اشرف سلیمانی صاحب رحمہ اللہ تھے، اگرچہ پاؤں سے معذور تھے اس کے علاوہ اور بہت سارے جسمانی امراض میں مبتلا تھے لیکن دین دار آدمی تھے، بہت اللہ والے تھے۔ میں جب ان سے ملا تو دل نے کہا کہ یہ آدمی بالکل سچ بول رہا ہے، بس ہم نے وہاں آنا جانا شروع کیا، یقین جانیے "پیر" کا لفظ بھی ہم نے ان سے کبھی نہیں سنا، اب بھی ہم ان کو مولانا صاحب ہی کہتے ہیں، وہ میرے شیخ تھے لیکن کبھی میری زبان سے ان کے لئے "پیر" کا لفظ نہیں نکلا۔ ہم تو ان کو مولانا صاحب سمجھتے تھے، ہر مشورہ حضرت کے ساتھ کرتے تھے۔ چھ سال کے بعد مجھے پتا چلا کہ حضرت تو شیخ ہیں۔ یونیورسٹی میں اچھے لوگ بھی ہوتے ہیں، برے لوگ بھی ہوتے ہیں، اچھی چیزیں بھی ہوتی ہیں، بری چیزیں بھی ہوتی ہیں لیکن مولانا صاحب رحمہ اللہ کی برکت سے ہمیں ان بری چیزوں کا پتا ہی نہیں چلا۔ بعد میں میڈیکل کالج کے رسالہ سے ہمیں معلوم ہوا کہ وہاں اس قسم کی چیزیں بھی ہیں لیکن اس سے پہلے ہمیں معلوم ہی نہیں تھا۔ یہ سب ان کی برکت تھی، اگر ہم ان کے پاس نہ جاتے تو ہم بھی ان لوگوں میں شامل ہوتے۔

لہٰذا اپنے لئے ایسی جگہیں چن لو جہاں اللہ والے بستے ہوں۔ اللہ پاک نے بھی قرآن پاک میں فرمایا ہے:

﴿كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ (التوبہ: ۱۱۹)

ترجمہ: "سچے لوگوں کے ساتھ رہا کرو"۔

یعنی جو لوگ قول اور فعل کے سچے ہیں ان کے ساتھ ہو جاؤ، اس کے بغیر کام نہیں بنتا۔ بے شک آپ کتنے ہی قابل ہو جائیں بغیر استاد کے ڈرائیونگ نہیں سیکھ سکتے۔ آپ کا تعلق میڈیکل سے ہے، یہاں پانچ سال آپ کو بڑی محنت سے پڑھایا جاتا ہے، پھر بھی یہاں سے فراغت کے بعد ہاؤس جاب کے بغیر آپ کو پریکٹس کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کو عملی طور پر نظر آنا چاہیے کہ کام کیسے ہوتا ہے، آپ صرف کتابی علم کو استعمال نہیں کر سکتے۔ لہٰذا کچھ ایسے لوگوں کی تلاش کرنی چاہیے جن کی صحبت کی برکت سے اللہ کا تعلق نصیب ہو جائے۔

میں آپ کو چند نشانیاں بتا دیتا ہوں کہ کس قسم کے لوگوں کے پاس اصلاح کے

لئے جانا چاہیے اور کن کے پاس نہیں جانا چاہیے۔ آج کل بہت مسائل ہیں، ابھی ڈاکٹر صاحب کے ساتھ میری بات ہو رہی تھی کہ جو بے دینی دین کے اندر ہوتی ہے وہ بہت خطرناک ہوتی ہے، جو دنیا داری دین داری میں ہوتی ہے وہ بہت خطرناک ہوتی ہے، ہمیں دنیا داروں کے پاس نہیں بلکہ دین داروں کے پاس جانا چاہیے۔

یہ آٹھ نشانیاں ہیں انہیں اچھی طرح سمجھ لیں۔ سب سے پہلی یہ ہے کہ اس کا عقیدہ صحیح ہو۔ اگر کسی کا عقیدہ خراب ہے تو اس کے اعمال بے شک کتنے ہی اچھے کیوں نہ ہوں، کام نہیں آتے۔

دوسری بات یہ دیکھیں کہ اس کے پاس دین کا علم بھی ہے یا نہیں ہے۔ علم کی دو قسمیں ہیں: ایک فرض کفایہ علم، یہ صرف علماء دین کے پاس ہوتا ہے، مدارس میں یہی پڑھایا جاتا ہے۔ دوسری قسم فرض عین علم ہے۔ اسی کے بارے میں حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے:

"طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ" (سنن ابن ماجہ: ۲۲۴)

ترجمہ: "علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے"۔

لہٰذا دوسری نشانی یہ ہے کہ کم از کم اس آدمی کے پاس فرضِ عین علم ہونا چاہیے۔

تیسری بات یہ ہے کہ وہ اس علم پر عمل کرتا ہو۔ مثلاً نماز کا وقت ہو گیا ہے، یہ آدمی نماز نہیں پڑھ رہا اور پیر بنا ہوا ہے تو اس کے پاس اصلاح کے لیے نہیں جائیں گے۔ مثلا ایک آدمی آپ ﷺ کا نام بڑی محبت سے لے رہا ہے لیکن آپ ﷺ جیسی صورت نہیں بنا رہا تو اس کے پاس اصلاح کے لیے نہیں جائیں گے کیونکہ اس کو صورت تو کسی انگریز کی پسند ہے اور نام حضور ﷺ کا لے رہا ہے۔

یہ ساری باتیں دیکھنی پڑتی ہیں کہ وہ شریعت پر چلنے والا ہو، فرائض، واجبات، سنن، مستحبات وغیرہ کا خیال کرنے والا ہو۔

چوتھی بات یہ ہے کہ اس کی صحبت کا سلسلہ حضور ﷺ کی صحبت تک پہنچتا ہو۔ آپ یقین جانیے صحبت سے اونچی نسبت کوئی نہیں ہے۔ آپ ﷺ کا سب سے آخری درجے کا صحابی رضی اللہ عنہ بھی دنیا کے سب سے بڑے ولی اللہ جیسے شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے اونچے درجے کا ہے، اس کی وجہ یہی صحبت ہے، کیونکہ اسے نبی کریم ﷺ کی صحبت کی سعادت حاصل ہے۔

پانچویں بات یہ ہے کہ اس کے پاس اجازت ہو۔ مثلاً کوئی میڈیکل کا علم حاصل کر لے لیکن اس کے پاس ڈگری نہ ہو تو وہ پریکٹس نہیں کر سکتا، بے شک اس کے پاس میڈیکل کا علم ہو اس کو حکومت اجازت نہیں دے گی۔ اسی طرح شیخ وہ ہو جس کے پاس با قاعدہ اجازت ہو۔

چھٹی بات یہ ہے کہ جیسے ڈاکٹر بہت سارے ہوتے ہیں لیکن آپ اس کے پاس جاتے ہیں جس کی شہرت اچھی ہوتی ہے، لہٰذا اس کی شہرت جاننے والوں میں اچھی ہونی چاہیے۔

ساتویں بات یہ ہے کہ وہ اصلاح کے معاملے میں کسی رو رعایت اور مروت سے کام نہ لیتا ہو۔ بہتر ڈاکٹر وہ ہوتا ہے جو علاج میں مروت سے کام نہیں لیتا دوا چاہے کڑوی ہو، علاج چاہے سخت ہو وہ سختی کے ساتھ مریض سے اس پر عمل کرواتا ہے، مروت والے کے پاس نہ جاؤ، مروت والا آپ کا علاج نہیں کر سکتا۔ ڈاکٹر حضرات جب آپریشن کرتے ہیں تو مریض کے رشتہ داروں کو باہر نکال دیتے ہیں ان کے سامنے آپریشن نہیں کرتے۔ لہٰذا مروت والوں کے پاس علاج کے لیے نہ جاؤ۔

آٹھویں بات یہ ہے کہ ان سات باتوں کی وجہ ان حضرات پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک انعام ہوتا ہے کہ ان کی مجلس میں بیٹھ کے آپ کو اللہ یاد آتا ہے، اگر آپ کو کسی کی مجلس میں بیٹھ کے اللہ یاد آتا ہے تو سمجھو کہ وہ اللہ والا ہے اور اگر کسی کی مجلس میں بیٹھ کے دنیا یاد آتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دنیا دار ہے۔ کرکٹ والوں کے پاس بیٹھ کے آپ کو کرکٹ کی ہی یاد آئے گی، پراپرٹی ڈیلر کے پاس بیٹھ کر آپ کسی پلاٹ کا سودا ہی کریں گے، اسی طرح جو اللہ والوں کے پاس بیٹھے گا اسے اللہ ہی یاد آئے گا۔

یہ آٹھ نشانیاں ہیں جس شخص میں آپ یہ دیکھیں ان کے پاس بیٹھیں ان سے فیض حاصل کریں اور اپنی اصلاح کروالیں۔ آپ کے پاس موقع ہے، یقین جانیے آپ کا ایک ایک لمحہ بہت قیمتی ہے۔

میں آخری بات کر کے بیان ختم کرتا ہوں۔ کشف یقینی نہیں ہے یہ ایک ظنی چیز ہے لیکن ہوتا ضرور ہے۔ ایک آدمی کسی قبر کے پاس سے گزرا تو اس قبر سے تلاوت

کی آواز آ رہی تھی، اس نے یہ دیکھ کر کہا: "سُبْحَانَ اللّٰہ"، قبر میں بھی تلاوت ہو رہی ہے۔ قبر والے نے یہ سن کر کہا: اگر تم سودا کرنا چاہو تو میں تیار ہوں، میں تین سو سال سے قرآن پاک کی تلاوت کر رہا ہوں، اس کا اجر تم لے لو اور جو "سُبْحَانَ اللّٰہ" تم نے ابھی کہا اس کا اجر مجھے دے دو۔ یہ آدمی بڑا حیران ہوا کہ یہ کیسی بات ہے کہ تین سو سال تلاوتِ قرآن کا اجر مجھے ایک "سُبْحَانَ اللّٰہ" پہ دے رہا ہے۔ قبر والے نے کہا: در اصل میری اس تین سو سال کی تلاوت کا کوئی اجر نہیں ہے کیونکہ میں اب دار الابتلاء میں نہیں ہوں، میں اس وقت دار الجزاء میں ہوں، یہ تلاوت تو میں شوق سے کر رہا ہوں، اس پر مجھے کوئی اجر نہیں مل رہا، لیکن آپ نے "سُبْحَانَ اللّٰہ" کہا اس پہ آپ کو اجل مل رہا ہے، اگر آپ کو وہ اجر نظر آتا تو آپ یوں حیران نہ ہوتے۔

آپ سب کہیں "سُبْحَانَ اللّٰہ"۔ آپ نے "سُبْحَانَ اللّٰہ" کہا، اس پہ آپ سب کو اجر مل گیا۔ الحمد للہ۔

اس کے ساتھ یہ بھی بتا دوں کہ ابھی آپ سب کو "سُبْحَانَ اللّٰہ" کہنے پر جتنا اجر ملا ہے، اتنا مجھ اکیلے کو ملا ہے، کیونکہ میں آپ کے "سُبْحَانَ اللّٰہ" کہنے کا ذریعہ بن گیا ہوں۔

جو باتیں میں نے عرض کی ہیں اگر آپ ان پر عمل کریں گے تو یہ میرے لیے صدقہ جاریہ ہو گا، اور در اصل میرے یہاں حاضر ہونے کی یہی وجہ ہے۔ آپ لوگوں نے مجھ پر احسان کیا کہ مجھے یہاں پر بلایا کیونکہ میرا یہاں آنا صدقہ جاریہ کا ذریعہ بن گیا۔ اس وجہ سے میں عرض کرتا ہوں کہ آپ کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے، آپ اس ایک لمحہ میں ذکر کر سکتے ہیں، کما سکتے ہیں، درود شریف پڑھ سکتے ہیں، قرآن پاک کی تلاوت کر سکتے ہیں، کسی کو نیکی کی بات بتا سکتے ہیں، اسی طرح اس وقت میں آپ کسی کو گالی بھی دے سکتے ہیں، کوئی نقصان بھی کر سکتے ہیں، کوئی غلط بات بھی کر سکتے ہیں، اختیار تو سب چیزوں کا ہے لیکن ہم لوگوں کو اچھی چیزیں لینی چاہئیں اور بری چیزوں سے بچنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی عمل کی توفیق عطا فرمائے اور آپ کو بھی۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

تعلیمات مجددیہ رحمۃ اللہ علیہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ اَمَّا بَعْدُ ۝

گذشتہ سے پیوستہ:

پس یہ بنیادی بات تھی کہ جہاں تاویل ضروری ہو وہاں تاویل کرنی چاہیے۔ رہا یہ سوال کہ تاویل کہاں ضروری ہے؟ تو کسی ایسے ضروری کام کے متعلق بات ہو، جس کے بغیر مسئلہ حل نہ ہو سکتا ہو، ایسی صورت میں آپ تاویل کریں گے۔ لیکن جو ضروری نہیں ہے وہاں آپ کے لئے چپ رہنا بہتر ہے۔ اگر کوئی مسئلہ نہیں کھڑا ہو رہا تو آرام سے گزر جاؤ۔ مثلاً کہیں ایک شیر کھڑا ہو اگر آپ کو اسی راستے سے جانا ہو تو پھر یہ سوچو کہ شیر کھڑا ہے اس کے ساتھ میں کیا کروں گا۔ لیکن اگر آپ کے پاس دوسرے راستے ہیں تو آپ اس دوسرے راستے سے گھوم کے چلے جائیں، خواہ مخواہ ایسے راستے سے جانے کی کیا ضرورت ہے جس میں جان جانے کا خطرہ ہو؟ تو جس طرح وہاں جان جانے کا خطرہ ہے تو اسی طرح یہاں ایمان جانے کا خطرہ ہے۔ لہٰذا ایسی جگہوں پر آدمی کو محفوظ راستہ تلاش کرنا چاہیے، اسی میں آسانی ہے، اسی میں خوبی ہے اور اسی میں ہی بچت ہے۔ ورنہ اللہ نہ کرے اگر کسی وجہ سے کوئی بات زبان سے نکل جائے تو وہاں معاملہ بہت خطرناک ہے۔ لہٰذا عقیدے کا ایک پہلو بہت آسان ہے اور ایک پہلو انتہائی مشکل ہے۔ آسان پہلو یہ ہے کہ اس میں کوئی عمل نہیں کرنا پڑتا، بس آپ نے کہہ دیا کہ اللہ ایک ہے تو اس کے لئے کتنا وزن اٹھایا؟ کتنے میل چلے؟ اس کے لئے آپ کو کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، بس صرف آپ نے ماننا ہے، اس میں کوئی محنت نہیں ہے، اس لحاظ سے عقیدہ بہت آسان ہے۔ لیکن نازک اتنا ہے کہ اگر آپ نے اپنے دل میں بھی اس پہ شک کر لیا تو ایمان جا سکتا ہے۔ جیسا کہ یہ عقیدہ ہے کہ آپ ﷺ خاتم

النبیین ہیں۔ چنانچہ اگر کسی نے کہہ دیا کہ میں نبی ہوں، (اللہ بچائے ایسے امتحان سے) اور کسی نے اس کو جانچنے کے لئے کہا کہ اگر تم نبی ہو تو ذرا اپنا معجزہ دکھاؤ۔ تو یہ پوچھنے کے ساتھ ہی وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ اس نے اپنے ایمان پر شک کر لیا۔ یہ فتوٰی امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے حالانکہ وہ اکثر بہت سختی کے ساتھ کسی کے بارے میں کفر کا فتویٰ دینے سے بچتے تھے، ننانوے دلائل اگر کفر کے ہوتے تھے اور ایک کفر سے بچنے کا ہو سکتا تھا تو وہ ایک والا لے لیتے تھے۔ چنانچہ ان کا یہ فتوی ہے کہ وہ کافر ہو گیا۔

اسی طرح ایک بچی پہ اس کے والد نے ظلم کیا تھا کہ وہ اس کی شادی کسی ایسے آدمی سے کر رہے تھے جو اس کو پسند نہیں تھا، جیسا ہمارے ملک میں بچیوں کے ساتھ یہ معاملہ چلتا ہے۔ تو اس نے مولانا یوسف لدھیانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھا کہ حضرت! والد صاحب میرے ساتھ اس طرح کر رہے ہیں اور اگر انہوں نے اس طرح کر دیا تو میں عیسائی ہو جاؤں گی۔ مولانا یوسف لدھیانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا: بد بخت! تو اس طرح کہنے کے ساتھ ہی کافر ہو گئی ہے۔ میں نے صرف تجھے اس پر خبر دار کرنا ہے کہ ظلم تم پر تمہارا والد کر رہا ہے، اسلام تو نہیں کر رہا، تو سزا اسلام کو کیوں دے رہی ہے، بلکہ اپنے آپ کو کیوں دے رہی ہے؟ والد نے تم پر ظلم کیا ہے، کیونکہ والد شریعت کے مطابق نہیں کر رہا، شریعت تو اس کو نہیں کہہ رہی کہ تم پر ظلم کرے، شریعت تو تجھے پورا حق دے رہی ہے کہ تم اپنے بارے میں فیصلہ خود کرو۔ اب اگر وہ اس پر عمل نہیں کر رہا تو یہ شریعت کا قصور نہیں، یہ تو اس کا اپنا قصور ہے، شریعت کے نزدیک وہ مجرم ہے۔ لیکن بہر حال اگر اس نے ایسا کیا ہے تو اس کی سزا تو اسلام کو یا اپنے آپ کو کیسے دے سکتی ہے؟ گویا اس کا ایک رخ بہت سخت ہے کیونکہ اس کے اندر لچک نہیں ہے۔ جیسے ایک شیشہ بہت مضبوط ہوتا ہے وہ نہیں ٹوٹتا لیکن جب ٹوٹتا ہے تو پھر چور چور ہو جاتا ہے جیسے windscreen جب ٹوٹتی ہے تو پھر کچھ نہیں بچتا، صرف جوار کے دانے بچتے ہیں۔ لہذا عقیدے کا مسئلہ بھی ایسا ہی ہے کہ مضبوط تو اتنا ہے کہ جب ایک دفعہ کہہ دیا اور پھر آپ نے اس کے خلاف کوئی بات نہ کی تو وہ موت تک جاری رہے گا، اس میں ذرہ بھر بھی تبدیلی نہیں آئے گی، بے شک (اللہ بچائے) گناہ کبیرہ بھی کر لے پھر بھی کافر نہیں ہو گا، پھر اگر **نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِک** سب کو جلا

دے تو بہت بڑا مجرم تو ہو گا لیکن کافر نہیں ہو گا۔ لیکن اگر اس میں شک بھی کر لیا تو پھر چاہے کبھی کسی چیونٹی کو بھی نہ مارا ہو، پھر بھی کافر ہو جائے گا، چنانچہ اس کا ایک رخ تو بہت زیادہ آسان ہے اس کے لئے محنت ذرہ بھر بھی نہیں ہے۔ لیکن دوسرا رخ اس کا بہت زیادہ سخت ہے اس وجہ سے انسان کو بہت محتاط رہنا چاہیے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک ایسا وقت آئے گا کہ صبح کو انسان مسلمان ہو گا اور شام کو کافر ہو گا، شام کو مسلمان ہو گا تو صبح کو کافر اٹھے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ معلومات زیادہ ہو جائے گی اور لوگوں کو شکوک و شبہات ڈالنے والے نظام اتنے زیادہ تیز ہو جائیں گے کہ ان سے بچنا بہت مشکل ہو جائے گا۔ جیسے کرونا سے لوگ بچتے ہیں کہ کہیں ہمیں کرونا نہ لگ جائے، اس کے لئے کیا کیا جتن کرتے ہیں۔ تو کیا عقیدے کی حفاظت نہیں کرنی چاہیے؟ اور عقیدے کی خرابی بھی متعدی مرض ہے یہ بھی ایک سے دوسرے کو لگتا ہے، کیونکہ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے جیسے خوش گپیوں کے موڈ میں دوست بیٹھے ہوئے ہیں، لطیفے سنا رہے ہیں ان لطیفوں میں اگر کوئی کفریہ لطیفہ کہہ دے تو جو اس پر تائیداً ہنس پڑے گا تو وہ کافر ہو جائے گا۔ جیسے آج کل واٹس ایپ اور فیس بک پر بہت سے کفریہ لطیفے آ جاتے ہیں، تو یہ مرض اور یہ چیزیں پتا نہیں کہاں کہاں پہنچ رہی ہیں۔ لہذا اپنے آپ کو بہت ہی زیادہ محفوظ رکھنے کی ضرورت ہے، جہاں خطرہ ہو وہاں انسان جائے ہی نہ، وہاں سے اپنے آپ کو بچائے، ایک طرف ہو جائے۔ اور اگر کہیں گیا ہوا ہو اور وہاں اس قسم کے مسائل ہو جائیں تو پھر اپنے ایمان کو مضبوط رکھے، کیونکہ سب سے پہلے اپنے ایمان کو بچانا ضروری ہے، دوسروں کی فکر بعد میں ہے۔ چنانچہ یہ بھی بہت اہم بات ہے کہ سب سے پہلے اپنے ایمان کو بچانا ضروری ہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دوسروں کے جوتوں کی حفاظت میں اپنی گٹھڑی گم نہ کریں، بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ لوگ دوسروں کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ کرتے ہوئے خود درمیان میں بھٹک جاتے ہیں۔ اس لئے اپنے آپ کو بچانا بہت ضروری ہے۔ جو عقائد حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات شریفہ اور بہشتی زیور میں بھی موجود ہیں ان کو بار بار پڑھیں اور ذرہ بھر بھی ان میں کسی انحراف کا نہ سوچیں۔ اس مسئلے میں انسان بہت rigid (کٹر) ہو، نہ بھائی کی، نہ باپ کی، نہ ماں کی اور نہ دوست

کی پرواہ کرے، کیونکہ کوئی بھی آپ کو نہیں بچا سکے گا، ہمارا معاملہ صرف اللہ پاک کے ساتھ ہے، اس وجہ سے ہم لوگوں کو اس مسئلے میں بہت ہی زیادہ محفوظ رہنا پڑے گا۔ تو ہم نے حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات میں سب سے پہلے عقائد سے ابتدا کی ہے، کیونکہ یہ معاملہ بہت اہم تھا اور حضرت بھی اس مسئلے میں بہت محتاط تھے۔ چنانچہ حضرت فرما رہے ہیں کہ تصوف کا نصف کام یہ ہے کہ معتقدات شرعیہ پر یقین اور اوامر و نواہی پر عمل آسان ہو، تو یہ دو باتیں بتائی ہیں۔ گویا پچاس فیصد کام تو عقیدے کا بیان کیا ہے۔ لہٰذا اس پر استقامت کی ضرورت ہے اور اعمال کے اندر ہمت کی ضرورت ہے، یعنی جو آپ نے کہہ دیا اس پر ثابت قدم رہنا ہے، جمے رہنا ہے۔ اور عمل کے لئے ہمت کرنی ہے۔ مثال کے طور پر میں کہیں جا رہا ہوں اور میرا وہاں پہنچنا ضروری ہے تو چاہے میں کتنا ہی کمزور ہوں، میں رینگتے ہوئے جاؤں گا اور کوشش کروں گا کہ میں وہاں پر پہنچ جاؤں یا گاڑی کا بندوبست کروں گا یا کچھ اور کروں گا، بہر حال وہاں پر میں کسی بھی طرح پہنچنے کی کوشش کروں گا، تو وہاں پر ہمت کی بات ہوتی ہے۔ لیکن عقیدہ direction (سمت) کی بات ہے۔ لہٰذا direction (سمت) اگر آپ نے تبدیل کر لی تو چاہے آپ کتنی ہمت کر لو، وہاں نہیں پہنچو گے جہاں پہنچنا ہے بلکہ کام خراب ہو جائے گا۔ اس وجہ سے عقیدے پہ استقامت کی ضرورت ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا﴾ (الأحقاف: ۱۳) لہٰذا عقیدے میں استقامت کی اور اعمال کے اندر ہمت کی ضرورت ہے، بے ہمتی کے ساتھ انسان کام نہیں کر سکتا، بے ہمتی انسان کو بالکل ضائع کر دیتی ہے۔ آج کل بے ہمتی بہت زیادہ عام ہے کہ ہر شخص کوشش کر رہا ہے کہ میرا کام کوئی اور کرے، میں خود کچھ بھی نہ کروں، خود بخود میری نمازیں بھی ہوتی رہیں۔ اب اگر نماز نہیں پڑھ رہا ہے تو پیر کو کہیں گے کہ مجھ سے نماز نہیں پڑھی جا رہی۔ اب یہ بھی کوئی بات ہے۔ تو پھر ڈاکٹر سے کہہ دو کہ مجھ سے دوائی نہیں کھائی جا رہی، تو ڈاکٹر کہے گا میرے پاس اس کا علاج ہی نہیں ہے، دوائی تو آپ کو کھانا پڑے گی، اگر انجیکشن لگانا ہے تو اس کے لئے تیار ہوں گے، دوائی کھاؤ گے تو ٹھیک ہو گے۔ جب کہ آج کل اس کے لئے با قاعدہ ذہن بنے ہوئے ہیں، کہ سارا کچھ خود بخود ہو جائے۔ لوگ پیروں کے پاس اس مقصد کے لئے آتے ہیں کہ

ہمارے کام خود بخود ہونے لگیں۔ مجددِ ملت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس خناس کو جو لوگوں کے دماغ سے نکالا ہے، اللہ تعالی حضرت کو اجر دے، حضرت نے یہ بہت بڑا کام کیا ہے۔ ایک دفعہ کسی نے پوچھا: حضرت! مجھے اپنے سینہ سے سرمایہ عطا فرما دیں۔ حضرت نے فرمایا: میرے سینے میں تو بلغم ہے۔ در اصل اس سے مقصد یہ سمجھانا تھا کہ سینے سے آپ کچھ نہیں لے سکتے، آپ کو خود عمل کرنا پڑے گا، ہمت کرنی پڑے گی۔ توجہ کی غلط interpretation (تشریح) نے پتا نہیں کتنے لوگوں کو ضائع کر دیا۔ کیا توجہ کا یہ مطلب ہے کہ تم کوئی بھی کام نہ کرو، شیخ ہی تمہارا کام کرے گا۔ چنانچہ شریعت پر خود عمل کرنا پڑتا ہے، شیخ آپ کو آسانی کا طریقہ بتائے گا اگر مشکل ہو گا تو آپ کی مشکل دور کرے گا اور صحیح طریقہ بتائے گا کہ اس طریقے سے کرو گے تو آسانی ہو جائے گی لیکن آپ کو کرنا خود ہی پڑے گا۔ مثلاً کوئی ڈرائیونگ سیکھنا چاہتا ہے اور جو ڈرائیونگ سکھانے والا ہے وہ اس کے اسٹیرنگ پر خود بیٹھ جائے، اس کے لئے گاڑی چلائے تو وہ نہیں سیکھ سکے گا کیونکہ چلانی تو خود ہی ہو گی وہ صرف آپ کو direction (ہدایات) دے گا، عین ممکن ہے کسی وقت سکھانے کے لئے آپ کے ہاتھ کو پکڑ لے، لیکن مستقل طور پہ تو ایسا نہیں کر سکتا، مستقل طور پہ ایسا کرے گا تو تم ڈرائیونگ کیسے سیکھو گے؟ ہر چیز کو سکھانے کا طریقہ کار ضرور ہوتا ہے لیکن کرنا خود پڑے گا۔ حضرت مجذوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے شارح تھے، انہوں نے اپنے ایک شعر میں مجذوبانہ انداز میں اس کو بیان فرمایا ہے کہ:

کہا! سمندر کی سیر کا شوق ہے
کہا! کرو،
کہا! طوفان کا ڈر ہے
کہا! طوفان تو ہو گا
کہا! اونٹ کی سواری کا شوق ہے
کہا! کرو،
کہا! کوہان کا ڈر ہے
کہا! کوہان تو ہو گا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو سلوک پہ جانا ہے تو اس پہ مجاہدات، ریاضتیں اور مشقتیں تو آئیں گی، ایسا نہیں ہے کہ سارا کچھ خود بخود ہو جائے گا۔ حضرت نے اس کو اس انداز میں کہا ہے۔ میں نے اس کو ذرا مزید بڑھانے کے لئے کہا ہے:

پڑھنے کا شوق ہے،

کہا! پڑھو،

کہا! امتحان کا ڈر ہے،

کہا! امتحان تو ہو گا۔

یعنی اس میں یہ چیزیں تو ہوں گی، یہ چیزیں تو ساتھ چلتی ہیں۔ لہذا ہمیں تو کام کرنا ہے۔ اللہ تعالی ہمیں توفیق عطا فرما دے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۝

مقامات قطبیہ ومقالات قدسیہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ
اَمَّا بَعْدُ ۝ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

پہلے رویتِ ہلال کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ چمن وغیرہ کے بعض ساتھیوں نے مجھ سے پوچھا ہے کہ ہم چاند کے بارے میں کیا کریں، چاند نظر آ سکتا ہے یا نہیں؟ صورت حال یہ ہے کہ میں تو اعتکاف میں ہوں اس لیے ان چیزوں سے دور ہوں لیکن ان کے لئے مجھے دیکھنا پڑا۔ چنانچہ چاند کا نظر آنا مشکل ہے لیکن نا ممکن نہیں ہے۔ چاند افق سے آٹھ درجہ بلند ہے اور غروب آفتاب سے آٹھ درجہ دائیں طرف ہے۔ ان حالات میں چاند سورج کی سرخی میں آ جاتا ہے اور اس کا نظر آنا مشکل ہو جاتا ہے۔ لیکن بعض دفعہ اتفاق ایسا بنتا ہے کہ چاند نظر بھی آ جاتا ہے۔ جیسے بادل کے دو ٹکڑے درمیان میں آ کر سرخی کو ڈھانپ لیتے ہیں اس وقت کچھ آسانی ہو جاتی ہے اور رویتِ ہلال ممکن ہو جاتی ہے۔ لہٰذا چاند کا نظر آنا نا ممکن تو نہیں ہے البتہ مشکل ضرور ہے۔

اعتکاف والے حضرات اپنے انتظام کو رویتِ ہلال کے مطابق ہی سمجھیں۔ ایسا نہ ہو وہ تیار بیٹھے ہوں کہ مغرب ہوتے ہی ہمیں چھٹی ہو جائے گی۔ اگر چاند نظر آ بھی گیا تو اعلان میں کافی دیر لگے گی کیونکہ ایسے حالات میں شہادتیں بھی مشکل سے آتی ہیں۔ ایسے حالات میں عموماً گیارہ ساڑھے گیارہ بجے کے لگ بھگ حتمی بات معلوم ہوتی ہے۔ ان شاء اللہ ہم لوگوں نے ڈٹ کے یہاں پر رہنا ہے، کہیں اور نہیں جانا۔ ہم نے خدا کو چھوڑ کے کہاں جانا ہے۔ یہ ہماری عیش کی رات ہے۔ میں اسے عیش کی رات اس لئے کہتا ہوں کہ الحمد للہ ختمِ قرآن ہو چکا ہے۔ تین ختم ہو چکے ہیں۔ پانچ قاری صاحبان ہمارے ساتھ ہیں۔ ہم ان سے فرمائشی کلام سنیں گے۔ کبھی ان سے کہیں گے

سورۂ رحمٰن سناؤ، کبھی کہیں گے سورۂ یٰس سناؤ، کبھی کہیں گے کہ سورۂ کہف سناؤ۔ اس طریقے سے ہماری رات ان شاء اللہ العزیز اچھی گزرے گی۔ ہم تو اس رات کے انتظار میں ہوتے ہیں کہ ایسی رات ہمیں مل جائے۔ لہٰذا ہم کلام پاک سنیں گے، اگر اس دوران اطلاع آ گئی تو دعا کر لیں گے اور مسجد کی حرمت اور صفائی کا خیال رکھتے ہوئے یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔

جو ساتھی پہلے بھی ہمارے ساتھ اعتکاف بیٹھتے رہے ہیں ان کو ہمارے مزاج کا پتا ہے، یہاں کی حالت کا پتا ہے لہٰذا ان کو تو کوئی مسئلہ نہیں لیکن پہلی مرتبہ اعتکاف میں بیٹھنے والے حضرات ایک بات یاد رکھیں کہ ہمارے ہاں اعتکاف میں کوشش کی جاتی ہے کہ دنیا کی نمود و نمائش کم سے کم ہو۔ دنیا کی نمود و نمائش مکمل طور پر تو ختم نہیں ہوتی لیکن ہمیں یہ کوشش ضرور کرنی چاہیے کہ یہ چیز کم سے کم ہو۔ لہٰذا ہمارے ہاں اعتکاف سے اٹھنے والے حضرات کو پھولوں کے ہار چڑھانا منع ہے۔ اسی طرح اِس موقع پر لوگوں کا گلے ملنا بھی منع ہے۔

الحمد للہ! اللہ تعالیٰ نے سنتِ کفایہ کی توفیق بخشی پھر اصلاحی اعتکاف نصیب فرما دیا، اب اس کو ان چیزوں سے ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ ہماری یہی خواہش ہونی چاہیے کہ ہمارا یہ عمل بچ جائے۔ بہت سارے حاجی ایسی چیزوں کی وجہ سے اپنے حج کو Take off سے پہلے ہی ضائع کر لیتے ہیں۔ کچھ لوگ اپنا حج بچا کر ایئر پورٹ تک لے آتے ہیں، کچھ لوگ اپنے گھر تک لے آتے ہیں۔ بہت کم لوگ ہوتے ہیں جو مستقل طور پر اپنا حج بچا کر اپنے ساتھ قبر میں اور پھر حشر میں بھی لے جائیں۔ کیونکہ نمود و نمائش بہت ہو رہی ہوتی ہے، کہیں ٹیلی فون کئے جا رہے ہوتے ہیں، کہیں دعوتیں کی جا رہی ہوتی ہیں، لوگ بلائے جا رہے ہوتے ہیں کہ وہ آئیں اور آ کر دیکھیں کہ حاجی صاحب حج سے تشریف لے آئے ہیں۔ خدا کے بندے! کیا آپ نے حج اس مقصد کے لئے کیا ہے؟ اگر آپ نے اللہ کے لئے کیا ہے تو بس اتنا کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ قبول فرما لے، باقی لوگوں کے ساتھ اس کا کوئی معاملہ نہیں۔ اسی طرح ہم نے اعتکاف بھی اللہ کے لئے کیا ہے، لوگوں کے ساتھ اس کا کوئی معاملہ نہیں۔ اس سلسلہ میں اپنے آپ کو لوگوں سے جدا رکھو۔

یہ تین دن اور تین راتیں ہمارا امتحان ہیں۔ اگر ان تین دنوں اور تین راتوں میں ہم ماحول میں رگڑے گئے تو پھر سارا ثواب ضائع ہو گیا۔ اگر ہم نے مزاحمت کی، اپنے آپ کو صحبتِ صالحین کا پابند کیا، غلط صحبتوں سے، ویڈیو اور ٹیلی ویژن سے، موسیقی سے اور غلط جگہوں پر جانے سے اپنے آپ کو بچایا تو پھر امید ہے کہ ہمارا اعتکاف ان شاء اللہ پورے سال کے لئے کافی ہو جائے گا۔ پورا سال ہمیں اس کے انوار و برکات محسوس ہوتے رہیں گے۔ لیکن اگر ہم نے اپنے آپ کو ڈھیل دی اور ان لہو و لعب کی چیزوں میں رنگے گئے تو پھر کافی خطرناک صورتحال بن سکتی ہے۔ اللہ جل شانہ ہم سب کو اس سے محفوظ فرمائے۔

اب ہم پہلے آپ کو شجرہ کے بارے میں بتائیں گے۔ اس کے بعد کلام پڑھا جائے گا۔ ہمارے بائیں طرف یہ شجرہ لگا ہوا ہے۔ اس پہ آپ ذرا غور کریں، اس میں کئی زنجیریں ہیں۔ اوپر سے نیچے کی طرف جو زنجیر آ رہی ہے اس کو دیکھیں۔ یہ سلسلہ آپ ﷺ سے شروع ہو رہا ہے، پھر چند صحابہ کرام سے ہوتا ہوا آگے چل رہا ہے۔ ان صحابہ کرام میں چار خلفاء راشدین شامل ہیں، حضرت بلال رضی اللہ عنہ ہیں، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، سیدنا عبد العزیز، حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ، حضرت انس رضی اللہ عنہ، سعید بن سلمان، سیدنا علی رضی اللہ عنہ شامل ہیں۔ ان صحابہ کرام سے زیادہ تر سلسلے چلے ہیں۔ پھر ان میں سے بھی زیادہ تر سلسلے دو حضرات حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے چلے ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نسبت نقشبندی سلسلہ کے ساتھ کی جاتی ہے اور علی رضی اللہ عنہ کی باقی تمام سلاسل سے۔ اگر تحقیقی طور پر دیکھا جائے تو نقشبندی سلسلہ بھی علی رضی اللہ عنہ سے ملاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بیعت کا سلسلہ یا صحبت کا سلسلہ در اصل حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا بعد میں حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نسبت بھی اس کے ساتھ شامل ہو گئی۔

لہٰذا اگر یوں کہا جائے تو بالکل درست ہو گا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ تمام سلسلے چلے ہیں۔ ان میں ایک ترتیب تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ سے جاری ہوئی ہے۔ یہ ترتیب حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے سید جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچی پھر حضرت ابو بکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ، احمد ابو علی رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتی ہے۔ اس سے دائیں طرف

سہروردی اور کبروی سلسلے وجود میں آئے اور بائیں طرف حضرت ابو بکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے نقشبندی اور قادری سلسلے آتے ہیں۔ اس میں ایک جگہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا نام آتا ہے وہاں سے نقشبندی سلسلہ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نسبت شامل ہوئی ہے۔

اس شجرہ میں جو سلسلہ سبز رنگ سے لکھا گیا ہے یہ سارا قادری سلسلہ ہے۔ جامنی رنگ میں جو سلسلہ نظر آ رہا ہے یہ کبروی سلسلہ ہے۔نیلے رنگ میں سہروردی سلسلہ کے حضرات کے اسمائے گرامی لکھے گئے ہیں اور سرخ رنگ چشتی سلسلے کے لیے مخصوص کیا گیا ہے۔

آگے جا کر چشتی سلسلہ دو حصوں میں تقسیم ہوتا ہے۔ حضرت صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ۔ اس سلسلہ میں حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت بھی شامل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پردادا سید نادر رحمۃ اللہ علیہ حضرت خواجہ عبد القدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے داماد اور خلیفہ تھے۔ اس طرح چشتیہ سلسلہ کی نسبت بھی حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ میں شامل ہو گئی۔ اسی وجہ سے سید نادر رحمۃ اللہ علیہ کو مست بابا کہتے ہیں، کیونکہ چشتی حضرات اپنی شان میں مست رہتے ہیں۔

حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان میں یہ سلسلہ آگے اس طرح چلا کہ حضرت سید نادر رحمۃ اللہ علیہ سے یہ سلسلہ ان کے بیٹے سید بہادر رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچا پھر ان کے بیٹے سید کستیر گل کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچا، پھر انہوں نے چشتیہ سلسلہ میں خوشحال خان خٹک کے بڑے بھائی جمیل بیگ رحمۃ اللہ علیہ کو خلافت دی۔ ان کا نام بعد میں فقیر بابا پڑ گیا تھا۔ پھر انہوں نے ابو اسماعیل یحییٰ اٹکی رحمۃ اللہ علیہ کو خلافت دی تھی۔ ان کو حضرت جی بابا کہتے ہیں۔ ان کا مزار شریف بالکل اٹک پل کے پاس ہی ہے۔ اس کے بعد یحییٰ اٹکی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت سعدی بلخاری لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی سلسلہ نقشبندیہ میں خلافت دی۔ اس سعدی سلسلہ میں یحییٰ اٹکی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد قاری جنید پشاوری رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعے ہمارے پاس نقشبندی سلسلہ آیا ہوا ہے۔ گویا ہم تک کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت حضرت مولانا یحییٰ اٹکی رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ پہنچی ہے۔

تمام سلاسل ابتداءً الگ الگ تھے لیکن بعد میں الگ الگ نہیں رہے، ایک دوسرے سے مل جل گئے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھیں یہ نقشبندی سلسلہ کے بڑوں میں ہیں لیکن چاروں سلسلوں میں مجاز ہیں۔ ان کو پہلی نسبت اپنے والد صاحب سے

چشتیہ سلسلہ میں حاصل ہوئی۔ بعد میں حضرت سکندر کیتلی رحمۃ اللہ علیہ نے قادری سلسلہ میں اجازت دی۔ عبد الغفار رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کبروی سلسلہ میں اجازت دی۔ لہٰذا حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ چاروں سلسلوں میں مجاز ہیں اس لئے آپ کو ان میں چاروں رنگ نظر آئیں گے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے جو سلسلہ چلا اگرچہ وہ نقشبندی مجددی کہلاتا ہے لیکن اس میں چاروں رنگ ہیں، اس میں چاروں سلسلے شامل ہیں۔ لوگ سلسلوں کے بارے میں الجھتے رہتے ہیں کہ فلاں سلسلہ افضل ہے فلاں کم افضل ہے۔ ہمیں ان معاملوں میں نہیں الجھنا چاہیے۔ یہ سارے چاروں سلسلے مسلسل چلے آ رہے ہیں اور بزرگ حضرات چاروں سلسلوں کے قدر دان تھے۔

یہ کتاب ہے "مقامات قطبیہ اور مقالات قدسیہ"۔ اس میں حضرت حلیم گل بابا رحمۃ اللہ علیہ (جو کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صاحب زادے تھے اور عالم تھے انہوں) نے حضرت کے ملفوظات اور مقالات کو جمع کیا ہے۔ ماشاء اللہ اس کے اندر بہت نور ہے۔

متن:

چوتھا باب

حضرت صاحب کی محبت اور درد کے حالات میں

حضرت صاحب کی خاص صفت محبت اور دردِ حق تھی۔ وہ اللہ سے محبت کرتے تھے اور معرفتِ الٰہی کی علامات میں سے ایک علامت محبت ہے۔ **"لِأَنَّ مَنْ عَرَفَهُ أَحَبَّهُ وَأَلْزَمَ بَابَهُ، وَقِيْلَ: اَلْمَحَبَّةُ مَيْلُ الْقَلْبِ إِلَى اللهِ وَإِلٰى مَا أَحَبَّ اللهُ"** "کیونکہ جس کو معرفت حاصل ہوئی، وہ اُس کے ساتھ محبت کرنے لگتا ہے اور اُس کے دروازے پر پڑ کر سرِ مو انحراف نہیں کرتا۔ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ محبت دل کے میلان کو کہتے ہیں، جو کہ خدا کی جانب پورا میلان ہو اور اُن اشیاء کی طرف بھی جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہوں"

تشریح:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت کے لئے جو دعا فرمائی ہے میرے خیال میں وہی جامع دعا ہے۔

"اَللّٰھُمَّ إِنِّیْ أَسْأَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّكَ وَالْعَمَلَ الَّذِیْ یُبَلِّغُنِیْ حُبَّكَ"

ترجمہ: "یا اللہ میں تجھ سے تیری محبت مانگتا ہوں اور ہر اس شخص کی محبت مانگتا ہوں جو تجھ سے محبت رکھتا ہو اور ہر اس چیز کی محبت مانگتا ہو جو مجھے تیری محبت تک پہنچا دے"۔

گویا اس دعا میں اللہ کی محبت کے ساتھ ساتھ اس کے تمام ذرائع بھی مانگ لیے۔ سارے انبیاء اور سارے اولیاء کرام اللہ سے محبت کرنے والے ہیں، لہذا سب کے ساتھ محبت مانگ لی اور اللہ تعالیٰ کی محبت کے حصول کے تمام ذرائع بھی مانگ لئے۔

متن:

حضرت سمنون رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ محبت کیا ہے؟ انہوں نے جواب میں فرمایا: "مَا خَلَقَ اللّٰہُ شَیْئًا وَّ الْمَحَبَّۃُ أَلْطَفُ مِنْہُ فَکَیْفَ أُعَبِّرُ عَمَّا لَا عِبَارَۃَ لَہٗ؟"

"اللہ تعالیٰ نے جتنی اشیاء تخلیق فرمائی ہیں، محبت اُن سب سے لطیف ترین چیز ہے۔ تو میں کس طرح وہ چیز عبارت اور الفاظ میں بیان کروں جس کے لیے الفاظ اور عبارت نہیں؟"

تشریح:

محبت کو الفاظ کے ذریعے بیان کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔ جن کو واقعتاً محبت ہو جاتی ہے وہ محبت کو جان لیتے ہیں اور جن کو نہیں ہوتی وہ اس کو نہیں سمجھ سکتے۔ وہ محبت والوں کو دیکھتے ہیں تو حیران ہوتے ہیں کہ یہ کیا کر رہے ہیں، یا تو نخرے کر رہے ہیں یا پتا نہیں کیا کر رہے ہیں۔ وہ اس چیز کو جان نہیں پاتے۔ اسی وجہ سے محبت والے چھپے رہتے ہیں۔

متن:

عشق کے کوچے کے درد مند کہتے ہیں کہ "اَلْمَحَبَّۃُ عِلَّۃٌ فِیْھَا کُلُّ شِفَاءٍ" "محبت ایسی بیماری ہے، جس میں سراسر شفا ہی شفا ہے"

اے میرے عزیز! یہ عجیب درد ہے کہ تمام دارو اور دوائی اُس میں موجود ہے اور اس درد کی کوئی دوا نہیں سوائے دردِ محبت کے۔

تشریح:

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کرّ و بیاں

کیونکہ دردِ محبت عجیب لطیف چیز ہے۔

متن:

پس اُس درد کا درد مند فریاد نہیں کرتا، اور اپنے درد کو ہزار دوا و درمان سے فروخت کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا، اور اپنے دوست کے علاوہ کسی دوسرے کے دیکھنے سے آنکھیں ایسی بند کر لیتا ہے کہ دل کے اندھے لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ اندھا ہے۔ اور خدا سے محبت کرنا خدا کی فرمانبرداری اور اطاعت کرنا ہے ورنہ اس بندۂ خاکی کی اُس ذات پاک سے محبت کی کیا تُک ہے؟ آخر بندہ کیا کرے گا جب وہ اپنے خداوند سے محبت نہ کرے۔ اُسے اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ خدا بندے سے محبت کرنے لگے۔

ایک دفعہ ایک آدمی حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس آیا اور کہا کہ مجھے تم سے محبت ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے جواب دیا کہ میں نہیں چاہتا کہ خدا کو چھوڑ کر کوئی مجھ سے محبت کرے۔ "**فَإِنَّ أَبِيْ أَحَبَّنِيْ فَطَرَحَنِيْ إِخْوَتِيْ فِي الْجُبِّ وَإِنَّ امْرَأَةَ الْعَزِيْزِ أَحَبَّتْنِيْ فَأَلْقَانِيْ خُدَّامُهَا فِي السِّجْنِ**" "میرے باپ نے میرے ساتھ محبت کی تو میرے بھائیوں نے مجھے کنویں کی تاریکی میں پھینک دیا، اور عزیز کی بیوی (زلیخا) نے میرے ساتھ محبت کی تو اُس کے نوکروں نے مجھے قید خانے میں ڈال دیا" اے عاشق! محبت کو لکڑی سے سیکھ کہ اس کے سر پر آرا چلاتے ہیں مگر وہ زکریا علیہ السلام کی طرح سر تک نہیں ہلاتی، اور اُسے آگ میں ڈالا جائے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح دم نہیں مارتی، حضرت یحییٰ علیہ السلام کو خلوت کی لذت اُس دن ہو گئی تھی جب وہ آرا کشی کی کشمکش میں تھے۔ جب اُس ثابت قدم ذات کے سر پر آرا رکھا گیا تو کسی نے ان سے پوچھا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ اُنہوں نے جواب دیا کہ میرا آدھا حصّہ مشرق میں اور آدھا مغرب میں گر پڑے تاکہ دنیا کے لوگ یہ جان لیں کہ جس راہ پر ہم نے قدم رکھا ہے، وہ ایسی مشکل اور عجیب راہ ہے کہ اُس میں ازخود قدم نہیں رکھ سکتے۔

ہمارے حضرت صاحب فقر کی صفت سے مزین تھے، گویا کہ دریائے فقر کے نہنگ تھے۔ پس صادق طبیب یعنی سچے فقیر جو کہ فسق کی بیماری کا علاج کر سکتے ہیں، وہ یہ بات کہتے ہیں کہ "**اَلْعَالِمُ طَبِیْبُ الدِّیْنِ وَالدَّرَاھِمُ دَاءٌ، فَإِذَا کَانَ الطَّبِیْبُ یَجُرُّ الدَّاءَ إِلٰی نَفْسِہٖ فَکَیْفَ یُدَاوِیْ غَیْرَہٗ؟**" "عالم، دین کا طبیب ہے، اور زرِ دنیا (روپیہ پیسہ) بیماری ہے۔ جب طبیب خود اپنی جان کے لیے بیماری کے حصول کے لیے کوشاں رہے تو پھر بھلا علاج کون کرے گا؟" اے بھائی! سب سے پہلے جس اشرفی پر دنیا میں مہر لگائی گئی، تو **ابلیس علیہ اللعنۃ** نے اُسے اُٹھا کر بوسہ دیا اور سر آنکھوں سے لگایا اور کہا کہ اے دینار! تمہاری دوستی کی وجہ سے لوگ میرے دوست بن جائیں گے۔

تشریح:

یعنی مال کی محبت کی وجہ سے بہت سارے لوگ شیطان کی بات ماننے پہ مجبور ہو جاتے ہیں۔

متن:

فقیر لوگ ہمیشہ علماء کی اقتدا کرتے رہتے ہیں، اور دنیا کے ترک کرنے کے سلسلے میں علماء کو چاہیے کہ فقیہ اور دین شناس فقیروں کی اقتداء کریں۔ فقیہ ابو اللیث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب عالم لوگ حلال مال کے جمع کرنے میں لگ جائیں تو عوام مشتبہ کی دولت کے حصول میں منہمک ہو جاتے ہیں۔

تشریح:

جب عالم لوگ حلال مال جمع کرنے میں لگ جائیں تو قوم مشتبہ چیزوں میں منہمک ہو جاتی ہے۔

متن:

اور جب اہل علم مشتبہ مال کے اکھٹا کرنے میں لگ جائیں تو عوام حرام خوری کے درپے ہو جاتے ہیں۔ اور جب اہل علم حرام خور ہو جائیں تو عوام کافر ہو جاتے ہیں۔

تشریح:

یعنی عوام اہل علم سے آگے چلتے ہیں۔

کہتے ہیں بادشاہ نے انڈا لے لیا تو عوام نے ساری مرغیاں ختم کر دیں۔ یہ بات بالکل درست ہے کہ اگر حکامِ بالا رشوت خور ہوتے ہیں تو ان کے ماتحت سارا محکمہ رشوت خور بن جاتا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ انہیں مجبور کیا جاتا ہے۔ دوسرا یہ کہ ان کے ساتھ بھی نفس ہے۔ جب انہیں مجبور کیا جاتا ہے تو ابتدا میں وہ مزاحمت کرتے ہیں لیکن جب دباؤ ڈالا جاتا ہے تو پھر لے لیتے ہیں، پہلے تو مجبوراً لیتے ہیں بعد میں ان کا نفس مزہ محسوس کرنے لگتا ہے پھر خود اپنی مرضی سے لینا شروع کر دیتے ہیں۔

ہمارے پاس بجلی کے محکمہ کا آدمی دوسرا میٹر لگانے کے لئے آیا۔ مجھے کہنے لگا کہ شاہ صاحب ہم تو آپ سے نہیں لیں گے لیکن اوپر والوں کو تو کچھ دینا پڑے گا، اس لئے آپ کچھ کریں۔ میں نے اس کی بات سنی ان سنی کر دی۔ میں نے سوچا اگر اس کے ساتھ مزید بات کرتا ہوں تو مجھے خراب کرے گا۔ اللہ کا شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی تنگی میں مبتلا ہوئے میٹر لگوا دیا۔

1992 کے لگ بھگ کی بات ہے کہ ہم اپنے گھر کے ساتھ ملحقہ زمین میں سے دو مرلہ زمین لے رہے تھے۔ کچہری میں ایک ٹائپسٹ سے بات ہو گئی۔ اس نے کہا تین سو روپے میں ٹائپ کروں گا۔ جب ٹائپنگ ہو گئی تو کہنے لگا رجسٹری منظور کروانی ہے؟ میں نے کہا جی کروا دیں۔ اس نے کہا آٹھ سو روپے لگیں گے۔ میں نے کہا کہ بات تو تین سو روپے کی ہوئی تھی۔ کہنے لگا کہ اگر آپ نے رجسٹری منظور کروانی ہے تو پھر آٹھ سو دینے پڑیں گے۔

میں نے کہا: آپ یہ بتائیں رجسٹری کی اصل فیس کتنی ہے؟

اس نے بتایا کہ اصل فیس 80 روپے ہے۔

میں نے کہا: یوں کرو کہ 380 روپے لے لو۔

کہنے لگا: اگر آپ آٹھ سو نہیں دیں گے تو آپ کی رجسٹری Turn down (یعنی مسترد) ہو جائے گی۔

میں نے کہا: ہونے دیں کوئی مسئلہ نہیں۔

جو آدمی زمین بیچ رہا تھا وہ بھی گھبرا کر کہنے لگا: شاہ صاحب اس کی بات مان لیں ورنہ بڑی ٹھوکریں کھانی پڑیں گی، بڑے مسائل ہو جائیں گے۔ مگر میں نہیں مانا۔ کاغذات

جمع کروا دیے۔ انہوں نے ہمیں تاریخ دے دی کہ پرسوں آ جائیں۔

جب ہم واپس آ رہے تھے تو بیچنے والا سارے راستے مجھے بتاتا رہا تھا کہ اس طرح کیسے کیسے مسائل پیش آ سکتے ہیں۔ تیسرے دن میں کچہری گیا۔ میرے ذہن میں یہی تھا کہ یہ مجھے کہیں گے کہ آپ کی رجسٹری منظور نہیں ہو سکی اس میں یہ مسائل ہیں لہٰذا آپ دوبارہ جمع کروائیں، یا پھر مجھے عدالت والے بلا لیں گے، پتا نہیں کیا کریں گے و اللہ اعلم۔ کیونکہ میں ان معاملات میں تجربہ کار تو تھا نہیں۔ خیر میں اندر چلا گیا۔ وہاں لوگوں کی قطار لگی ہوئی تھی۔ چونکہ میں عمومی درخواست گزاروں میں شامل نہیں تھا اس لئے میں لائن توڑ کے سیدھا کلرک کے پاس چلا گیا اور اسے بتایا کہ یہ میرا نمبر ہے، مجھے رجسٹری کب ملے گی؟

اس نے کہا: آپ بیس منٹ کے بعد آ سکتے ہیں؟

میں نے کہا: جی بالکل آ سکتا ہوں؟

میں باہر آیا، کچھ چکر وغیرہ لگا کر بیس منٹ کے بعد دفتر پہنچا تو انہوں نے مجھے منظور شدہ رجسٹری دے دی۔ اللہ کا شکر ہے۔ دوسرے لوگ لائن میں لگے رہے ہوں گے اور مجھے مل بھی گئی۔

بعض دفعہ یہی مسئلہ ہوتا ہے۔ عین ممکن ہے کہ اوپر والے لوگ جج یا اعلیٰ افسران وغیرہ رشوت نہ لے رہے ہوں لیکن نیچے والے ملازمین نے یوں ہی مشہور کر دیا ہو کہ سب اوپر والے رشوت لیتے ہیں اس لیے آپ کو دینی پڑے گی۔ لہٰذا ان مسائل سے بچنے کے لئے ہمیں خود بھی کچھ تکلیف اٹھانی پڑے گی۔ ہم لوگوں کی بھی سستی ہوتی ہے کہ ہم کہتے ہیں تھوڑا سا لائن میں لگنا پڑے گا، کھڑا ہونا پڑے گا، انتظار کرنا پڑے گا، چلو کچھ دے دلا کر کام کرا لیتے ہیں۔ یہ "چلو"ہی مسئلہ خراب کرتا ہے کہ چلو دے ہی دو۔ اسی سے نقصان بڑھتا ہے۔

متن:

"نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْھَا"۔ اے میرے عزیز! عالم کو چاہیے کہ وہ درویش ہو، اور درویش کو چاہیے کہ وہ عالم ہو۔ اور جس عالم میں فقر کی چاشنی نہ ہو تو وہ ایک ضرر

رساں درندہ ہے،

تشریح:

یہ میری بات نہیں ہے بلکہ اس کی بات ہے جس نے یہ کتاب لکھی ہے اور وہ بہت بڑا عالم ہے۔

متن:

اور جس فقیر میں علم کی حلاوت اور شیرینی نہ ہو تو وہ فقط ایک عامل ہے اور وہ بھی بے کار۔

تشریح:

در اصل جس کو چلنا ہے اسے علم چاہیے اور جس کے پاس علم ہے اسے چلنا چاہیے۔ دونوں باتیں اکٹھی ہوں گی تو کام بنے گا۔ چونکہ صاحبِ کتاب ہمارے دادا ہیں، شاید ان کی میراث میں مجھے یہ نعمت ملی ہے کہ میں جب خانقاہوں میں جاتا ہوں تو وہاں علم کی باتیں کرتا ہوں اور جب مدرسوں میں جاتا ہوں تو وہاں ذکر کی باتیں کرتا ہوں۔ جس کی وجہ سے دونوں طرف کے لوگ مجھے اپنا سمجھنے لگتے ہیں۔ لہٰذا مجھے بالکل فرق نہیں پڑتا۔

متن:

بیت:

نخشبی فقر بے علوم نکو
شہد بے منفعت وہم زہر است

"اے نخشبی! بغیر علم کے فقر ایک بے فائدہ شہد بلکہ زہر ہے"

آنچہ در آدمی بکار آید
فقر با علم و علم با فقر است

"جو چیز آدمی کے لیے ضروری ہے، وہ علم کے ساتھ فقیری اور فقیری کے ساتھ علم ہے"

عبودیت محتاج تعارف چیز نہیں، اللہ کے بندے جانتے ہیں کہ بندگی کیا ہوتی

ہے لیکن حریت آزادی کے بارے میں سنو کہ حریت کیا ہوتی ہے۔ "قِيْلَ: اَلْحُرِّيَّةُ الْإِعْرَاضُ عَنِ الْكُلِّ وَالْإِقْبَالُ إِلٰى مَنْ لَّهُ الْكُلُّ" یعنی حریت سب سے منہ موڑنا ہے، اور اُس کی طرف رُخ کرنا ہے جس کا یہ کُل ہو یعنی ہر چیز کا مالک ہو۔

تشریح:

در اصل حریت چیزوں اور نفس سے آزادی ہے، اللہ سے آزادی نہیں ہے۔ جیسے قلندر سب چیزوں سے آزاد ہو کر اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ قلندر کے بارے میں لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ شریعت سے آزاد ہے حالانکہ وہ شریعت سے نہیں بلکہ لوگوں سے آزاد ہوتا ہے، لوگوں کی پرواہ نہیں کرتا۔ ایک عام عالم لوگوں کے حال کے مطابق بات کرتا ہے۔ مثلاً ایک آدمی میں برداشت کی قوت نہیں ہے تو عالم اس کے سامنے وہ چیز ظاہر نہیں کرتا۔ جب کہ قلندر لوگوں کی پروا نہیں کرتا۔ وہ کہتا ہے بھاڑ میں جائے باقی سب کچھ۔ جو صحیح چیز ہو وہ بتا دیتا ہے، اس کو کسی کی پروا نہیں ہوتی۔ قلندر لوگوں سے باغی ہوتا ہے، لوگوں سے آزاد ہوتا ہے لیکن شریعت سے آزاد نہیں ہوتا۔

پانی پانی کر گئی قلندر کی یہ بات
تو جھکا جب غیر کے آگے نہ تن تیرا نہ من

میرے سامنے بہت سارے لوگ بیٹھے ہوں اور میں ان سے کہوں نہ تن تیرا نہ من۔ تو ہو سکتا ہے میں اس طرف صاف الفاظ میں نہ کہہ سکوں۔ لیکن جو قلندر ہو گا وہ کسی کی پروا نہیں کرے گا۔ میری شاعری کی کتاب ہوشِ دیوانگی میں اس پر ایک غزل بھی ہے:

قلندری

جو جھکا نفس کے آگے کیا قلندری جانے
بندۂ نفس کیا اللہ کی بندگی جانے

باتیں بے باکی سے کرنا قلندری نہیں ہے
ہے قلندر جو اس کی بات ہی صحیح جانے

قلندری میں شریعت سے نکلنا نہیں ہے
ہے وہ قلندر جو کامیابی اس میں ہی جانے

فسق سے بھرپور دمادم قلندری کیسے
فسق میں غرق جو ہے وہ کہاں مستی جانے

لعل شہباز قلندر خواجہ عثمان ہی تھے
متشرع تھے حقیقت کون ان کی جانے

یہ جو شیطان کے چیلے ہیں تف ہے ان پہ شبیر
جو شریعت پہ چلنے سے خود کو بری جانے

متن:

حسین منصور رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو بندہ مقامِ عبودیت کو بالکل طے کر لے، اس کو حر کہتے ہیں۔ "وَذَالِكَ مَقَامُ الْأَنْبِيَاءِ وَالصِّدِيقِيْنَ" "یہ انبیاء اور صدیقین کا مقام ہوتا ہے" حضرت جنید صاحب سے کسی نے پوچھا کہ اگر کسی سالک پر دنیا سے اس قدر باقی رہ چکا ہو کہ سات کنکریوں پر گنا جائے، تو اُسے حر کہتے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ "اَلْمُكَاتَبُ عَبْدٌ مَّا بَقِيَ عَلَيْهِ الدِّرْهَمُ" کہ مکاتَب اُس وقت تک غلام ہوتا ہے جب تک کہ اُس پر مکاتبت کی رقم کا ایک درہم واجب الاداء ہو۔

تشریح:

"مکاتبت" ایک شرعی اصطلاح ہے۔ جو غلام اپنے مالک کے ساتھ سودا کر لیتا ہے کہ اگر میں آپ کو اتنے پیسے دے دوں تو آپ مجھے آزاد کر دیں گے۔ اگر وہ بھی یہ مان لے تو اس معاہدہ کو لکھ دیا جاتا ہے۔ اس معاہدہ کو مکاتبت جبکہ اس غلام کو مکاتَب

کہتے ہیں۔ پھر وہ غلام مزدوری کر کے اتنے پیسے مہیا کرتا ہے۔ جب پیسے پورے ہو جاتے ہیں وہ آزاد ہو جاتا ہے۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مکاتب اس وقت تک غلام رہتا ہے جب تک اس پر کل رقم کا ایک درہم بھی واجب الادا ہو۔ جب وہ آخری درہم بھی ادا کر لے گا، اس کے بعد آزاد ہو جائے گا۔

متن:

اے میرے عزیز! جو کوئی عبودیت اور طریقت کو کما حقہٗ ادا کرے حقیقت میں حر (آزاد) وہی ہے۔ "قَالَ الْحَسَنُ: مَنْ أَرَادَ الْحُرِّيَّةَ فَلْيَعْمَلِ الْعُبُوْدِيَّةَ" "جو شخص کہ حریت چاہے، تو اس کو چاہیے کہ عبودیت پر عمل کرے" قطعہ:

نخشبی ہم جو بندگان مے باش
ورنہ آفاق بہ تو خندہ کند

کار احرار کار احرار ست
بندہ باید کہ کار بندہ کند

"اے نخشبی! بندوں کی طرح رہا کرو ورنہ تم پر ہنسائی ہو گی۔ احرار کا کام احرار کا عمل ہوتا ہے، بندہ کو چاہیے کہ بندگی کا عمل انجام دیتا رہے"

اور جو کوئی لغو اور ہنسی مذاق کی باتیں بکتا رہے، وہ بندگی سے آگاہ نہیں اور اگر اپنے آپ کو حُر کہے تو اُس کی بات میں کوئی ٹک نہیں۔ اور حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصی خاصیتوں میں ایک صفت شکر گزاری کی تھی کہ وہ دائمی طور پر رضا و بلا میں شاکر اور شکور رہتے تھے اور کسی محنت اور مشقت کے وقت کسی قسم کا شکوہ شکایت نہیں فرماتے تھے۔ اور کسی قسم کی تکلیف و شدید رنج میں اُن کی حالت میں تغیر اور فرق نہیں آتا تھا،

تشریح:

جیسے حضرت مولانا غلام محمد دین پوری رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ میں نقل کیا کرتا ہوں کہ انہیں

اتنی شدید تکلیف لاحق ہو گئی تھی کہ ایک مرتبہ گھوڑے سے گر پڑے۔ اب تکلیف سے لوٹ پوٹ ہو رہے تھے اور ساتھ ساتھ یہ کہہ رہے تھے:

لطف سجن دم بدم جورِ سجن گاہ گاہ
ایں وی سجن واہ واہ اوں وی سجن واہ واہ

ان کو اس وقت میں بھی یہ بات یاد تھی کہ اگر اِس وقت یہ تکلیف آئی ہے تو اللہ نے اس سے کہیں زیادہ نعمتیں بھی دی ہیں۔ اس لئے ہر حالت پہ شکر ہے۔

ہم لوگ بڑے بھولے ہیں ہم لوگ جانتے ہوئے بھی نہیں جانتے، آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ مثلاً اگر میری اس آنکھ میں تکلیف ہو۔ (اللہ بچائے، تکلیف سے تو امن ہی چاہیے لیکن کبھی ہو بھی سکتی ہے) اب میری دوسری آنکھ تو درست ہے، کان بھی درست ہیں، دل بھی درست ہے، دماغ بھی درست ہے، ہاتھ پاؤں بھی درست ہیں، جسم کے باقی سارے اعضاء درست ہیں، صرف ایک آنکھ میں تکلیف ہے۔ اب اگر میں اس پر ناشکری کروں تو یہ کتنی عجیب بات ہو گی۔ لیکن جب ہم تکلیف میں ہوتے ہیں تو ہمارا دھیان اس طرف نہیں جاتا۔

بعض دفعہ جب عارفین کو کوئی تکلیف پیش آتی ہے تو وہ اس کو معرفت کے نور سے دیکھتے ہیں۔ ان کی بات بالکل سچی ہوتی ہے لیکن اس سچ تک پہنچنے کے لئے کافی پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں تب کہیں جا کر باقی لوگوں کو ان کی بات سمجھ آتی ہے۔

ہم لوگوں کو کوئی تکلیف ہو رہی ہو تو اس کی حفاظت کے لئے ڈاکٹر سے علاج کرواتے ہیں۔ جس ڈاکٹر سے علاج کرواتے ہیں وہ فیس الگ لیتا ہے اور اس کا اکرام ہم الگ کرتے ہیں، اس کی تعریفیں الگ کرتے ہیں۔ مثلاً میرے جسم کا دس فیصد حصہ بیمار ہے اس دس فیصد بیماری کو درست کرنے کے لئے ڈاکٹر پوری محنت کر رہا ہے، میں اس کو فیس بھی دے رہا ہوں، میں اس کا شکر گزار بھی ہوں اور جو ذات باقی نوے فیصد کو قائم رکھے ہوئے ہے، کیا میں اس کا شکر بھی ادا کر رہا ہوں؟ جسم میں صرف

وہی چیز تو نہیں ہے جس میں بیماری آ گئی ہے، بہت ساری دوسری چیزیں بالکل ٹھیک ٹھاک چل رہی ہیں، لیکن میں ان کا شکر ادا نہیں کر رہا۔

انسان حیران ہو جاتا ہے کہ ہم لوگ کیسے بھول جاتے ہیں۔ یہی معرفت ہے کہ انسان کو معلوم ہونا چاہیے کہ عین تکلیف کے وقت میں بھی اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے پر شکر کا کلمہ پڑھنا ہے۔ شکر کرنے میں انسان کا اپنا ہی فائدہ ہے۔ اللہ پاک قرآن پاک میں فرماتے ہیں:

﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ﴾ (ابراھیم:۷)

ترجمہ: "اگر تم نے واقعی شکر ادا کیا تو میں تمہیں اور زیادہ دوں گا"۔

میں اکثر عرض کرتا ہوں کہ جیسے مختلف قسم کی تھیراپیز ہیں، ہم نے بھی ایک تھراپی ایجاد کی ہے اور وہ ہے "شکر تھراپی"۔ اس میں یہ کرنا ہوتا ہے کہ جب کسی کو کوئی تکلیف ہو تو وہ دیکھے کہ جسم میں کون سی چیزیں ایسی ہیں جن میں کوئی تکلیف نہیں ہے پھر ان پر شکر ادا کرے۔ شکر سے نعمت بڑھتی ہے۔ جتنی صحت اس کو حاصل ہے اس پر شکر ادا کرے گا تو صحت مزید بڑھے گی۔ صحت بڑھے گی تو بیماری کم ہو گی۔ یہ شکر تھراپی قرآن سے ثابت ہے۔ لہٰذا جتنی صحت حاصل ہے اس پہ شکر کر لو، اللہ وہ صحت بھی عطا فرما دیں گے جو حاصل نہیں ہے یعنی بیماری کم کر دیں گے۔

اللہ والے لوگ بعض دفعہ بہت زیادہ بیمار ہوتے ہیں لیکن ان کو اتنی تکلیف نہیں ہوتی جتنی تکلیف ان بیماریوں سے دوسرے لوگوں کو ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ شاکر رہتے ہیں۔ شکر کی برکت سے ان کی نفسیاتی اور اعصابی تکلیف بے حد کم ہو جاتی ہے۔

مولانا اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کو اگر طبی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو وہ اتنے بیمار رہتے تھے کہ ان کو کسی کے ساتھ بات بھی نہیں کرنی چاہیے تھی، چہرے پر مسکراہٹ سجانا تو بہت بڑی بات ہے۔ میرے سامنے ڈاکٹر صاحب بیٹھے ہیں میں ان سے پوچھتا ہوں کہ جس کو فالج ہو اور وہ آخری دنوں میں خود کروٹ تک نہ بدل سکتا ہو، جس کو دمہ ہو، جس کو السر ہو، جس کو کانوں کی تکلیف ہو، جس کو بلڈ پریشر ہو، جس کو شوگر ہو، جس کو اس طرح کی مزید کئی بیماریاں ہوں، کیا وہ کسی سے بات کر سکتا

ہے؟ نہیں کر سکتا، اگر کرے گا بھی تو بہت زیادہ مشکل ہو گی۔ لیکن کئی بار ایسا ہوا کہ ہم حضرت مولانا اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو وہ بیمار ہوتے اور گرمی کے نمونیے میں مبتلا ہوتے۔ حضرت کو اکثر گرمی کے موسم میں بھی نمونیا ہو جاتا تھا، جس کی وجہ سے ہسپتال میں داخل ہوتے۔ ہم ان سے ملنے جاتے اور اس سے پہلے کہ ہم حضرت سے پوچھیں کہ آپ کا کیا حال ہے، خود حضرت ہم سے کہہ دیتے کہ السلام علیکم بھائی خیریت تو ہے طبیعت ٹھیک ہے؟

ہم حیران ہوتے کہ ہم حال پوچھنے آئے ہیں اور الٹا حضرت ہم سے پوچھ رہے ہیں۔ کوئی پوچھتا کہ حضرت کیا حال ہے تو فرماتے: الحمد للہ، اللہ کا شکر ہے۔ دیکھنے والے اور جاننے والے حیران رہ جاتے تھے۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت کا فیضِ اول ہر ایک کو ملتا تھا۔ وہ فیض یہ تھا کہ اگر کوئی تکلیف زدہ شخص ان کے پاس آ جاتا تو اس کی تکلیف میں کمی ہو جاتی تھی۔ وہ حضرت کو دیکھتے کہ حضرت اتنی ساری تکلیفوں میں مبتلا ہو کر بھی نارمل ہیں تو ہم کیوں ان تکلیفوں پہ چیخیں۔ انسان کو حیا آ جاتی کہ مجھے بھی تو کچھ نہ کچھ خیال رکھنا چاہیے۔

الغرض ان حضرات اولیاء اللہ کو تمام تکالیف ہونے کے باوجود ایک بشاشت حاصل ہوتی ہے۔ یہ من جانب اللہ بہت بڑی نعمت ہوتی ہے۔ یہ کسی عام آدمی کو حاصل نہیں ہوتی۔ ہمارے مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب تشریف لائے تھے تو ان کو چار آدمی اٹھاتے تھے۔ چار آدمی تلائی پہ بٹھاتے، چار آدمی اٹھاتے اور حضرت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لاتے۔ حضرت نے اسی حالت میں آخری پانچ سال گزارے۔ حضرت کا حال یہ تھا کہ روز بروز کمزور ہوتے جا رہے تھے۔ اس کے باوجود مختلف جگہوں پہ چالیس چالیس دن اعتکاف کیے اور وہ بھی دوسرے ممالک میں۔ جنوبی افریقہ، برما، انگلینڈ اور انڈیا وغیرہ میں اعتکاف فرمائے۔ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ایسی استقامت عطا فرمائی ہوتی ہے کہ آدمی حیران ہو جاتا ہے۔

متن:

اللہ تعالیٰ کی رضا کو اختیار کیے ہوئے تھے اور اپنی رضا اور نفس کے فائدہ کی پروا نہ کرتے ہوئے حق تعالیٰ کی رضا جوئی کے متلاشی رہتے، اور اپنی رضا کو پس پشت ڈال

کر راضی برضائے ایزدی تھے۔ محققین سے نقل ہوا ہے کہ شاکر اور شکور میں فرق یہ ہے کہ "اَلشَّاکِرُ مَنْ یَّشْکُرُ عَلَی الرَّخَاءِ وَالشَّکُوْرُ مَنْ یَّشْکُرُ عَلَی الْبَلَاءِ" یعنی شاکر وہ ہے جو کہ نعمت، خوشی اور راحت پر شکر کرے، اور شکور وہ ہے جو کہ مصیبت پر شکر کرے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ "اَلشَّاکِرُ مَنْ یَّشْکُرُ عَلَی الْمَوْجُوْدِ وَالشَّکُوْرُ الَّذِیْ مَنْ یَّشْکُرُ عَلَی الْمَفْقُوْدِ" وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْمَعْرِفَةِ: "الشَّاکِرُ خَوْفُهٗ أَبْلَغُ وَ الشَّکُوْرُ رَجَاءُهٗ أَبْلَغُ" "شاکر وہی ہوتا ہے جو کہ موجود پر شکر ادا کرے، اور شکور وہ ہوتا ہے جو کہ مفقود پر شکر ادا کرے۔ اور بعض اہل معرفت نے فرمایا ہے کہ شاکر وہ ہے جس کا خوف زیادہ ہو اور شکور وہ ہے جس کی اُمید زیادہ ہو" بلکہ حضرت شیخ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اکثر مریدان مراتب اعلیٰ تک پہنچے ہوئے ہیں، حتیٰ کہ ہمارے شیخ صاحب کے مریدوں میں سے ایک مرید اپنا حال بیان فرماتے تھے، اور اللہ کے نام کی قسم اٹھا کے بیان کرتے تھے کہ جس رات کہ میرے گھر میں کچھ بھی نہ ہو اور میرے اہل و عیال بھوکے سو جائیں، تو میں اُس رات بہت خوش اور راضی رہتا ہوں اور بھوک و ننگ سے اُن کو کچھ غم اور رنج نہ ہوتا۔

تشریح:

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ چشتی سلسلہ کے بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں۔ فرماتے ہیں: فاقہ کی قدر تو ہم سے پوچھو، ہم نے اس کے لئے بادشاہی چھوڑی ہے باقی لوگ فاقہ کی قدر کیا جانیں۔

بات تو صحیح ہے۔ یہ حضرات واقعتاً ایسے ہوتے ہیں۔ حضرت اسحاق رحمۃ اللہ علیہ شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے بھائی تھے۔ بچپن میں کسی عالم کے ساتھ پڑھ رہے تھے۔ ایک دن بڑے خوشگوار انداز میں آپس میں باتیں کرنے لگے جیسے کوئی بڑا خوشگوار واقعہ پیش آیا ہو جس کی وجہ سے بار بار چہرے پہ مسکراہٹ آ رہی ہو۔ ان کے استاذ کو بڑی حیرت ہوئی کہ شاید کوئی خط وغیرہ آیا ہے۔ استاذ نے ان کو بلا کر پوچھا کہ بیٹا کیا بات ہے کوئی خط وغیرہ آیا ہے؟

عرض کیا: جی ہاں خط آیا ہے اور اس میں لکھا ہے کہ ہماری ایک جائداد تھی

جو حکومت نے ضبط کر لی ہے۔

استاذ نے پوچھا: پھر اس میں خوشی کی کیا بات ہے؟ یہ تو غم کی بات ہے۔

انہوں نے کہا: بات یہ ہے کہ پہلے ہماری نظر جائداد پہ ہوتی تھی کہ اس سے کھائیں گے۔ لیکن اب جائداد نہیں رہی لہٰذا اب اللہ پہ نظر جائے گی، ان چیزوں پہ نظر نہیں جائے گی، اس لئے ہم خوش ہیں کہ اس سے خلاصی ہوئی۔

مال کا ضائع ہونا کوئی ہنسنے کی بات نہیں ہے کیونکہ نیک آدمی مال ضائع نہیں کر سکتا لیکن اگر اللہ جل شانہ خود اس کو تلف کر دے تو وہ مال آدمی کی ذمہ داری سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کتابوں کی تصحیح کا کام کرتے تھے، جس کی تنخواہ دس روپے تھی۔ اس میں سے پانچ روپے خرچ کرتے تھے، پانچ روپے اللہ کے راستے میں دے دیتے۔ تو ان کے شاگردوں نے ان کے لئے بارہ سو روپے کی ایک نوکری تلاش کی اور انہیں لکھا کہ حضرت آپ اس کے بارے میں سوچ و بچار کریں۔

اُس زمانے کے بارہ سو روپے کا حساب لگا لیں کہ اس وقت کے بارہ سو روپے آج کل کے کتنے روپے کے برابر ہوں گے۔ جب میں نے ملازمت شروع کی تھی تو گریڈ 17 کی تنخواہ 900 روپے تھی جبکہ آج کے وقت میں گریڈ 17 کی تنخواہ تقریباً 35 ہزار روپے ہیں۔ اور میں جس ملازمت کی بات کر رہا ہوں وہ 1979 کا زمانہ تھا۔ 1979 سے لے کر 2016 تک اتنا فرق پڑا ہے تو ذرا حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے وقت کا حساب لگا لیں کہ ان کے وقت کا 1200 روپیہ آج کل کتنا بنے گا۔ میرے اندازے کے مطابق کوئی سات آٹھ لاکھ روپے ہو سکتا ہے۔

خیر ایسا ہوا کہ حضرت نے اس ملازمت کو منظور نہیں فرمایا اور جواب ہی نہیں دیا۔ اس شاگرد نے اضطراری انداز میں دوبارہ خط لکھا کہ حضرت بڑی مشکل سے اس کا انتظام ہوا ہے آپ جلدی کوئی جواب دے دیں تاکہ میں انہیں مطمئن کر سکوں، ورنہ یہ ملازمت ہمارے ہاتھ سے چلی جائے گی۔

حضرت نے جواب میں لکھا کہ میری تنخواہ دس روپے ہے۔ پانچ روپے میں اپنے خرچ میں لاتا ہوں۔ پانچ روپے اللہ کے راستے میں دیتا ہوں۔ ان کے لئے مجھے

سوچنا پڑتا ہے کہ کس کو دوں کس کو نہ دوں، کیونکہ اس طرح پھینک تو نہیں سکتا۔ اگر 1200 آ گئے تو پھر میں 1195 روپے کے لئے سوچوں گا کہ کس کو دوں اور کس کو نہ دوں۔ میرے لیے یہ سوچنا آسان نہیں ہے، بڑے مسئلہ کی بات ہے۔ اس لیے میں ملازمت قبول نہیں کر رہا۔

یہ حساب کتاب کا ایک نیا انداز ہے جو کم از کم آج کل معروف نہیں ہے۔ یہ بنیادی باتیں ہیں۔ ایسے لوگوں کو اللہ دیتے ہیں اور ان کے ذریعے لوگوں کو سکھاتے اور بتاتے ہیں کہ دیکھو یہ ہیں میرے دوست۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے کروڑ پتی تھے۔ ان کی وفات کے موقع پر ان کے شاگرد حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فقرہ کہا: دنیا نے سولہ سنگھار کر کے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا مگر حضرت نے اسے منہ بھی نہیں لگایا۔

ہمارے جتنے بھی اللہ والے گزرے ہیں ان سب کے حالات ایسے ہی ہیں۔ یہ باتیں ہمیں بڑی عجیب لگتی ہیں۔ ہم کہتے ہیں یہ تو صوفیوں کی باتیں ہیں لیکن جب ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی باتیں اور عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کی باتیں سنتے ہیں وہ تو صوفیوں والی باتیں نہیں ہیں، وہ تو صحابہ و تابعین کی باتیں ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی باتیں تو صحابہ کی باتیں ہیں، کم سے کم ان پہ تو عمل کر سکتے ہیں۔

اس لئے میں عرض کرتا ہوں کہ جوان مرد لوگ دنیا کے ساتھ محبت نہیں کیا کرتے۔ کسی نے دنیا سے پوچھا: تیرا کیا حال ہے؟ اس نے کہا برا حال ہے کیونکہ جوان مرد میری طرف دیکھتے نہیں اور جو میرے پیچھے بھاگتے ہیں وہ سب نا مرد ہیں۔

یہی بنیادی باتیں ہیں۔ اللہ پاک کہاں سے کیا کچھ نصیب فرما دے۔ یہ قبولیت کی گھڑیاں ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی یہ معرفت نصیب فرما دے، اللہ تعالیٰ اپنا تعلق نصیب فرما دے، دنیا کی محبت ہمارے دلوں سے نکال دے۔ یہ وہ چیزیں ہیں جن کو حاصل کرنا چاہیے۔ بے شک اس وقت سمجھ میں نہ بھی آئیں پھر بھی حاصل کرنا چاہیے۔ بہت ساری چیزیں جن کو ہم سمجھتے نہیں لیکن وہ ہماری ضرورت کی ہوتی ہیں اس لیے انہیں اللہ سے مانگتے ہیں۔ یہ بھی ہماری ضرورت ہے۔ یہ کوئی قصے کہانیاں نہیں ہیں۔

متن:

اور اُن سے کچھ خوف اور ہیبت نہیں ہوتی۔ حضرت صاحب کے مریدوں میں سے ایک مرید نے ایک لوٹا حضرت صاحب کے دربار میں لٹکایا اور معلق باندھ کر چھوڑ دیا۔ اور اُس سے اس کی مراد اور مطلب یہ تھا کہ میں دنیا میں اس لوٹے کی مانند خوار اور ذلیل ہو جاؤں اور دنیا کی نعمتوں سے بے بہرہ اور بے نصیب ہو کے رہوں تو میں اس بات پر راضی ہوں۔ پس ان کے لیے دنیا کی محنت اور تکلیف نعمت کے مانند تھی اور اس کی خواہش اور رغبت رکھتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی رضا میں سر گرداں رہتے تھے اور اس کی طلب کرتے رہتے تھے۔ شیخ فتح خٹک جو حضرت صاحب کے مرید تھے اُن کی خلوت گاہ میں سانپ آیا کرتے تھے اور اُن کو کاٹتے تھے۔ اُن سانپوں کو نہ تو خود مارتے تھے اور نہ کسی کو اُن کے مارنے کے لیے کہتے تھے۔ اُن سانپوں کے ڈسنے کی وجہ سے قے کرتے تھے۔ اور اُن کو بہت تکلیف ہوا کرتی تھی۔ وہ اس کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے تصور کرتے تھے اور تیوری پر بل نہیں لاتے تھے۔ وہاں سے نہیں بھاگتے اور اس کے لیے اپنے آپ کو امادہ رکھتے۔

بیت:

گر گزندت رسد ز خلق مرنج
کہ نہ راحت رسد ز خلق نہ رنج

"اگر لوگوں سے تجھے کچھ نقصان پہنچے تو رنج نہ کر۔ کیونکہ لوگوں سے نہ تکلیف پہنچتی ہے اور نہ راحت"۔ اللہ والوں کا یہی طریقہ ہے"

بیت:

ہر چہ رود بر سرم چوں تو پسندی رواست
بندہ چہ دعویٰ کند حکم خداوند راست

"جو حادثہ مجھ پر آئے جب آپ کو پسند ہو تو وہ جائز ہے۔ غلام اور بندہ کیا دعویٰ کر سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے لیے حکم و امر ہے"

ایک وقت ایسا آیا کہ آپ نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک کالا ناگ آپ کے خلوت

خانے سے باہر آیا اور آپ کے سجدے کی جگہ پر کنڈلی مار کر سر رکھ دیا۔ اس حقانی فقیر نے بغیر کسی جھجک کے، بغیر کسی خطرے کے سجدے کے وقت سجدے کی جگہ اپنا سر رکھ دیا۔ سانپ نے یہ دیکھتے ہوئے اپنے سر کو اٹھا کر جگہ چھوڑ دی۔ پھر جب وہ جلسہ کے لیے بیٹھ گئے تو سانپ نے دوبارہ اُسی جگہ اپنا سر رکھ دیا۔ پھر اس مردِ حق نے سجدہ کے لیے اپنا سر سجدہ گاہ پر رکھنا چاہا تو سانپ نے اپنا سر وہاں سے ہٹایا اور اپنے بل کی طرف چلتا بنا اور اپنے بل میں گھس کر نظر سے اوجھل ہو گیا۔ جو لوگ غیر سے نہیں ڈرتے، غیر کی جانب نگاہ نہیں اٹھاتے، تو وہ ان کی مانند ہوتے ہیں۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ شیخ فتح کے پاس چیتے اور پہاڑی درندے آیا کرتے تھے اور اس کی زیارت کر کے اپنے ٹھکانوں کو واپس جاتے تھے۔ غرض یہ ہے کہ حضرت صاحب ؒ کے مریدوں کا یہ حال تھا کہ ہر حال پر راضی اور خوش تھے۔

حکماء کا قول ہے کہ خداوند کریم کی نعمتیں قسما قسم اور متنوع ہیں، فقط یہ کھانا پینا اس کی نعمت نہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کی نعمت متنوع ہے تو ہر نوع پر شکر کرنا واجب ہے۔

تشریح:

یہ بات صحیح ہے۔ نعمتیں بے شمار ہیں، ان کا اندازہ انسان نہیں کر سکتا۔ بعض نعمتیں ایسی ہوتی ہیں جو کچھ لوگوں کے لیے تو نعمت ہوتی ہیں لیکن کچھ کے لئے نعمت نہیں ہوتیں۔ مثلاً ایک عام آدمی کو ساری نعمتیں حاصل ہیں لیکن علماء کی محفل حاصل نہیں۔ وہ اس کی کمی بہت محسوس کرتا ہے اور علماء کی صحبت کو اپنے لیے بڑی نعمت سمجھتا ہے۔ کہیں اچانک دو تین علماء آ جائیں اس کی مجلس میں بیٹھ جائیں یا اسے ان کے ساتھ بیٹھنے کا موقع مل جائے تو وہ اتنا خوش ہوتا ہے کہ جیسے ساری دنیا اسے مل گئی ہو۔ اب اس کی نعمت یہ ہوتی ہے۔ اسی طرح مختلف نوع کی نعمتیں ہیں۔ ہر شخص کی اپنی اپنی نعمت ہے جس پر اسے شکر ادا کرنا چاہیے۔

متن:

ایک دن حضرت آدم علیہ السلام نے دربار الٰہی میں مناجات کی کہ اے بار الٰہی! میں آپ کی نعمتوں کا شکر کس طرح ادا کروں؟ فرمان صادر ہوا کہ جب تم کوئی نعمت جو تم کو حاصل ہو گئی ہو، اُس کو ہماری جانب سے خیال کرو تو مکمل طور پر شکر نعمت ادا

کرو۔ آپ نے شکر گذاروں کے مناقب بہت سنے ہوں گے، اب ناشکروں کی حکایت بھی سن لیجیے۔ نمرود علیہ اللعنۃ کے سات بڑے شہر تھے، اور ہر شہر میں حکیموں نے عجیب و غریب طلسم بنائے تھے۔ پہلے شہر کے دروازے پر ایک بلخ کا بت بنایا تھا، جب شہر کے دروازے پر کوئی مسافر آتا تو بلخ کے اس بت سے ایک آواز نکلتی جو کہ تمام شہر میں سنی جاتی، لوگ تفتیش کے طور پر پوچھتے تھے کہ کون آیا ہے۔ دوسرے شہر کے دروازے پر ایک طنبورہ بنایا تھا، جب کسی کی کوئی چیز گم ہوتی تو اس طنبورے پر ڈھول بجایا جاتا تو طنبورے سے آواز نکلتی کہ تمہاری گم شدہ چیز فلان شخص لے گیا ہے اور فلاں جگہ پڑی ہے۔ تیسرے شہر کے دروازے پر ایک آئینہ بنایا گیا تھا کہ جو مسافر مفقود اور غائب ہو جاتا، تو اس آئینے میں دیکھا جاتا، اور اس مفقود مسافر کا حال خواہ کسی شہر میں ہوتا، اس کا حال معلوم ہو جاتا۔ چوتھے شہر میں ایک حوض بنایا تھا کہ نمرود ہر سال اس حوض کے کنارے ایک جشن مناتا، جو کوئی آتا تو شراب کی کوئی قسم اپنے ساتھ لاتا، اور اس حوض میں ڈالتا۔ کوئی گلاب لاتا، کوئی شربت، کوئی شراب لاتا۔ جب اس حوض کو بھر دیتے، اور جب حوض سے واپس آتے تو ہر کوئی وہی واپس لے جاتا جو وہ لایا ہوتا۔ پانچویں شہر میں ایک تالاب بنایا تھا، اس تالاب کے پانی کے پاس کوئی شخص بیٹھا کرتا اور لوگوں کے جھگڑوں کا فیصلہ کرتا۔ جب دو آدمی دعویٰ کر کے آتے تو دونوں پانی کے اندر چلے جاتے، جو شخص باطل پر ہوتا تو وہ پانی میں غرق ہو جاتا، اور دوسرا بچ جاتا۔ چھٹے شہر میں ایک درخت تھا، اگر کوئی آدمی اس کے نیچے کھڑا ہوتا تو درخت اس پر سایہ کرتا حتیٰ کہ ہزار آدمی اس کے زیر سایہ ہوتے اور اگر ہزار سے ایک بھی زیادہ ہوتا تو تمام دھوپ میں ہوتے اور کسی پر بھی سایہ نہ ہوتا۔ ساتویں شہر میں ایک حوض بنا تھا، اس کے کنارے پر تمام شہروں کی تصویریں بنی تھیں، اگر کسی شہر میں جو اُس کی مملکت میں ہوتے، اگر اس میں بغاوت یا نافرمانی کے آثار ہوتے تو اگر وہ چاہتا کہ اُن کو سزا دے تو اس حوض میں سے ایک نہر اُس شہر کی جانب کھول دیتا تو وہ شہر اسی وقت پانی میں ڈوب جاتا۔ حق تعالیٰ نے اُس کو ایسی نعمتوں سے نوازا تھا، مگر اس نے نعمت کی قدر کر کے شکر ادا نہ کیا، بلکہ دوسرا بڑا دعویٰ کیا۔ پس اُس نے وہی چکھا اور دیکھا جو کہ اُس کے ساتھ ہوا یعنی اُس کے لشکر کو مچھروں سے ہلاک کیا گیا۔

اور آدھا مچھر اُس پر مسلط کیا گیا جو اُس کی ناک میں چلا گیا، اور اُس کو ھلاک کر ڈالا۔

تشریح:

ناشکروں کی بھی بڑی قسمیں ہیں۔ ناشکرے بھی بڑے عجیب ہیں۔ آج کل کے دور میں تو ناشکرے بہت زیادہ تعداد میں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ہمیں جتنی زیادہ نعمتیں دیتے ہیں ہم اتنے ہی زیادہ ناشکرے ہوتے جاتے ہیں۔ دوسری طرف بے صبرے بھی ہیں۔ چھوٹی سی تکلیف آ جاتی ہے تو بے صبری کی وجہ سے سب کچھ بھول جاتے ہیں۔ دونوں چیزیں انتہا پر ہیں۔ اللہ پاک بچائے، اس بے صبری اور ناشکری کی وجہ سے ایمان بھی غرق ہو سکتا ہے۔

اس وجہ سے صحبت صالحین بہت ضروری ہے۔ صحبتِ صالحین کی برکت سے انسان محفوظ رہتا ہے۔ ورنہ چاہے اس کو بے صبری ہلاک کر دے چاہے ناشکری ہلاک کر دے، کسی نہ کسی طریقے سے انسان ہلاک ہو ہی جاتا ہے۔ یہ بالاکوٹ میں جو زلزلہ آیا تھا۔ اس وقت بڑی خوفناک صورت حال بن گئی تھی، لوگوں کے ایمان تک داؤ پر لگ گئے تھے۔ حیرت کی بات ہے کہ جو لوگ ان کے لئے اناج لے کے آتے، امداد لے کے آتے یہ انہی کو لوٹ لیتے تھے اور قہقہے لگاتے تھے۔

جب قیمتی ساز و سامان اور سونے وغیرہ کی دکانیں ڈوب رہی ہوتیں، عین اسی وقت بعض لوگ لوٹ مار کر رہے ہوتے تھے اور کئی لوٹ مار کرنے والے خود بھی دھنس جاتے تھے۔

اس سے پتا چلتا ہے کہ ہم کس درجہ کی پستی تک پہنچ چکے ہیں، دنیا کی محبت ہمارے اندر کس قدر گھر کر چکی ہے۔

ایک واقعہ ایسا بھی سننے میں آیا کہ ایک آدمی سائیکل پر کوئی تھیلی لے جا رہا تھا، اس کا ایکسیڈنٹ ہو گیا۔ جب دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ اس کی تھیلی کے اندر کٹے ہوئے ہاتھ ہیں جن میں سونے کی چوڑیاں ہیں۔ عبرت کا مقام ہے کہ اتنا ظلم کیا مگر وہ بھی اسے راس نہ آیا، آخر کار وہ خود بھی ختم ہو گیا۔

یہ چیزیں انسان کو جگانے کے لئے کافی ہیں۔ اس قسم کے حالات میں ہمیں بزرگوں کی باتوں پہ عمل کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات اور بھی بلند فرمائے یہ تو تھے ہی

بزرگ، ہم کم از کم انسان تو بن جائیں۔ کم از کم انسانیت کے مقام سے نیچے تو نہ گریں۔ اتنا شکر تو ہم سب پر واجب ہے کہ گناہ گار نہ ہوں۔ اتنا صبر تو ہم سب پر واجب ہے کہ اپنے ایمان کو نقصان نہ پہنچائیں۔ یہ تو ہم سب پر لازم ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ "انفاسِ عیسیٰ" میں فرماتے ہیں: میں فتویٰ دیتا ہوں کہ آج کل صحبتِ صالحین فرضِ عین ہے کیونکہ اس کے بغیر ایمان بھی نہیں بچتا۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فتویٰ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ حضرت ان چیزوں کے ماہر تھے، مجدد تھے، بہت بڑے شیخ تھے۔ انہوں نے بے شمار لوگوں کا علاج کیا ہے، ایک جم غفیر کی اصلاح کی ہے۔ وہ ان ساری چیزوں سے گزرے ہوئے تھے۔ لہٰذا انہوں نے یہ فتویٰ یوں ہی نہیں دیا اس کے پیچھے خاص مصلحت اور بڑی حکمت ہے۔

لہٰذا آج کل کے دور میں صحبتِ صالحین کو تلاش کرنا بہت ضروری ہے۔ اس کے بغیر انسان کا ایمان نہیں بچ سکتا۔ جہاں پر بھی صحبتِ صالحین میسر ہو، کم از کم اپنے آپ کو اس کے ساتھ متعلق کر دو۔ تربیت اپنے شیخ سے ہی کرواؤ لیکن جہاں پر بھی ہو، وہاں شیخ کے مشورے سے صحبتِ صالحین سے استفادہ کرنے کی کوشش کرو۔ شیخ کے ساتھ رابطہ رکھنا پڑتا ہے، لیکن آدمی ہر وقت تو شیخ کے ساتھ نہیں ہوتا۔ خاص طور پر وہ لوگ جو دور دراز علاقوں میں رہتے ہیں، وہ تو ہر وقت شیخ کے ساتھ نہیں رہ سکتے، وہ لوگ شیخ کے مشورے سے اپنے اپنے علاقوں میں صحبتِ صالحیں تلاش کریں اور ان سے استفادہ کیا کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو خیر نصیب فرما دے، ہر شر سے محفوظ فرما دے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

مختصرات سلوک

علم کی تین قسمیں ہیں:

ایک: وہ جو نص سے ماخوذ ہوتا ہے۔

دوم: وہ جو عقل کی بنیاد پر معلوم ہوتا ہے۔

سوم: وہ جو کشف سے ماخوذ ہوتا ہے۔

پھر ان تینوں کے بارے میں تحقیق یہ ہے کہ نص سے ماخوذ ہونا تبھی قبول ہوتا ہے جب اس کا منصوص ہونا ثابت ہو، ورنہ اس کو منصوص نہیں کہیں گے۔

کسی بات کو منصوص ثابت کرنے کے لئے کچھ قوانین ہوتے ہیں جن کی بنیاد پر یہ فیصلہ ہو سکتا ہے کہ آیا مذکورہ معلومات منصوص ہیں یا نہیں۔

اسی طرح کچھ معلومات ایسی ہوتی ہیں جو عقل سے ثابت ہوتی ہیں جنہیں ثابت کرنے کے لئے عقل کی کسوٹی پر پرکھنا ہوتا ہے۔

تیسری قسم کی معلومات وہ ہوتی ہیں جو کشف کے ذریعے معلوم ہوتی ہیں۔ ان کا میدان بہت وسیع ہے۔ ان کے بارے میں ایک اہم ضابطہ یہ ہے کہ ان کو عقل اور نص کی کسوٹی پر پرکھے بغیر قابل قبول نہیں سمجھا جا سکتا، ان کو اس طور پر قبول نہیں کیا جا سکتا کہ ان سے منصوص اور معقول معلومات متاثر ہو جائیں، البتہ منصوص مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے ان کو ذریعے کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔

مثلاً سائنسی معلومات کی بنیاد عقل پر ہوتی ہے، اگر کچھ معلومات کا سائنسی اصولوں سے ثابت ہونا ممکن نہ ہو تو انہیں سائنسی معلومات نہیں کہا جا سکے گا۔ اس کے بر عکس ان سائنسی معلومات کو جو نص سے ثابت نہ ہوں، منصوص نہیں کہیں گے، ہاں اگر نص سے ان کی ممانعت منصوص نہ ہو تو ان سائنسی معلومات کو ایک مفید علم کے طور پر لیا جا سکے گا۔

آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

"اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْيَاكُمْ" (مسند احمد: ۲۴۹۶۴)

ترجمہ: "تم اپنے دنیاوی امور کو بہتر جانتے ہو"۔

اس ارشاد مبارک سے واضح طور پر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جن امور کی ممانعت منصوص نہیں ہے ان سے استفادہ میں کوئی حرج نہیں، جیسے میڈیکل، انجینئرنگ، فزکس، کیمسٹری اور ریاضی کی تحقیقات وغیرہ۔ اسی طرح بعض دفعہ کچھ معلومات ایسی ہوتی ہیں جو منصوص تو ہوتی ہیں لیکن سائنسی تحقیق سے ثابت نہیں ہوتیں، ایسے امور میں غیر مسلم سائنسدانوں سے الجھنے کی بجائے یہ کہنا بہتر ہے کہ آپ لوگوں کی معلومات آپ کے لیے ہیں ہمیں ان سے آگے کی خبر بھی دی گئی ہے جیسے سات آسمان نص سے تو ثابت ہیں لیکن سائنس سے ثابت نہیں، ہمیں ان کو سائنس سے ثابت کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے، اسی طرح جنت، دوزخ اور قبر کی زندگی وغیرہ امور نص سے تو ثابت ہیں لیکن سائنس سے ثابت نہیں ہیں، ہمیں ان امور کو ماننے کے لیے ان کو سائنس سے ثابت کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔

اسی طرح کشف کی بنیاد پر حاصل شدہ معلومات کو عقلی اور منصوص مقاصد کے لئے بطور ذریعہ استعمال کیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ ان معلومات کو معقول و منصوص نہ کہا جائے محض مفید علم سمجھا جائے، جیسے لطائف کا علم تربیتِ نفس اور تصفیۂ قلب کے لئے استعمال کیا جائے تو درست ہے۔ کیمیا کے ایک سائنسدان کو خواب میں یہ نظر آیا تھا کہ سانپ نے اپنی دم کو منہ میں پکڑا ہے اس سے اس کا ذہن اس طرف گیا کہ بنزین (benzene) کے لئے رنگ سٹرکچر (ring structure) کا تجربہ کر کے دیکھا جائے، جس سے بنزین رِنگ دریافت ہوا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے حقیقت پر کوئی فرق نہیں پڑتا بلکہ حقیقت تک پہنچنے کا ایک راستہ دریافت ہو جاتا ہے۔

ہم طب کے قوانین کو دیکھتے ہیں کہ پہلے ہمیں تجربات و مشاہدات کی بنیاد پر کچھ معلومات ہوتی ہیں۔ اگرچہ ہم بعض اوقات اس کی وجہ نہیں جانتے لیکن اگر ہم ان معلومات سے کام لیں اور ان سے مطلوبہ صحت حاصل ہو جائے تو کوئی عقل مند آدمی اس کے استعمال سے نہیں روکتا، البتہ بعض حضرات اس کی وجہ اور بنیاد تک پہنچنے کی سعی ضرور کرتے ہیں، لیکن یہ ایک اضافی بات ہوتی ہے۔

اگر چند معلومات کشفی طور پر پہلے سے معلوم ہوں پھر نص سے ان کا اشارہ ملتا ہو یا

وہ معلومات عقلی طور پر ثابت ہو جائیں تو عقل اس نتیجے کو دیکھ کر مطمئن ہو جاتی ہے۔

اگر سائنس سے کسی منصوص چیز کی وجہ دریافت ہو جائے تو نص اس کی مخالفت نہیں کرتی، جیسے سواریوں کے بارے میں نصوص میں آیا ہے کہ ایسی ایسی سواریاں آئیں گی جن کو ابھی تم نہیں جانتے۔

اسی طرح روحانی صحت کا معاملہ ہے۔ اس کو حاصل کرنے کے لئے علم کے ان تینوں ذرائع سے مدد لی جا سکتی ہے اور لی جاتی ہے۔ اگر کسی ذریعہ سے روحانی صحت حاصل ہوتی ہے اور نصوص میں اس کی ممانعت موجود نہیں ہے تو پھر وہ طریقہ نص سے ثابت ہو یا نہ ہو، اس سے کام لیا جا سکتا ہے۔ یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ وہ طریقہ نص سے ثابت ہے یا نہیں، البتہ اگر نصوص میں اس کے بارے میں اشارے موجود ہوں تو اُن سے کام نہ لینا بلا وجہ ایک نا قدری کی بات ہو گی۔

روحانی صحت کی ضرورت:

اس کے بارے میں نصوص میں واضح احکامات موجود ہیں، لہٰذا اصل مقصد نصوص سے ثابت ہے، اور مقصد پر ہر چیز کا مدار ہوتا ہے۔ آگے جا کے اس کو عقل سے بھی ثابت کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ۔

اللہ تعالیٰ نے سورہ شمس اس لئے اتاری تاکہ نفس کی اصلاح کی اہمیت کا پتا چل جائے اور یہ بات سمجھ آ جائے کہ نفس کی اصلاح کے بغیر روحانی اصلاح ممکن نہیں ہے اور اگر نفس کی اصلاح نہ ہوئی تو یہ مکمل تباہی کا پیش خیمہ ہے۔ جیسا کہ سورہ شمس میں فرمایا گیا:

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا﴾ (الشمس: ۹-۱۰)

ترجمہ: "فلاح اسے ملے گی جو اس نفس کو پاکیزہ بنائے، اور نا مراد وہ ہو گا جو اس کو (گناہ میں) دھنسا دے"۔

دوسری طرف آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ انسان کے جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے، اگر وہ ٹھیک ہو جائے تو سارا جسم ٹھیک ہو جائے گا اور اگر یہ خراب ہو جائے تو سارا جسم خراب ہو جائے گا، خبر دار وہ دل ہے۔

اس ارشاد سے جسم کی اصلاح میں قلب کا مرکزی کردار بالکل واضح ہے۔ اس طرح آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ عقل مند وہ ہے جو نفس کو قابو کرے اور آخرت کے لئے کام کرے اور بے وقوف وہ ہے جو نفس کو ویسے ہی کرنے دے جیسا وہ چاہے اور پھر (بغیر توبہ کے) اللہ تعالی سے مغفرت کی تمنا کرے۔

یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی آگ میں ہاتھ ڈالے اور پھر اللہ تعالیٰ سے تمنا کرے کہ اس کا ہاتھ نہ جلے۔ اس کو بے وقوف نہیں کہا جائے تو کیا کہا جائے گا؟

پس ان تینوں (نفس، قلب اور عقل) کا اصلاح میں اپنا اپنا مرکزی کردار نص سے ثابت ہو گیا۔ اب اس میں عقل کی بھی ضرورت ہے کہ آدمی سوچے کہ میں ان میں کسی ایک کو مانوں تو کافی ہو جائے گا یا ان سب کو بیک وقت صحیح مانوں تو حق ادا ہو گا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ تینوں چونکہ نص سے یقینی طور پر ثابت ہیں اس لئے عقلاً ان میں سے کسی ایک سے بھی انکار ممکن نہیں، سب کو اپنے اپنے طور پر صحیح ماننا ضروری ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان تینوں کے بیان کا انداز کچھ اس طرح ہوا ہے کہ ہر ایک انفرادی طور پر درست معلوم ہوتا ہے۔ اسی لئے تو تین گروہ بن گئے ہیں، کچھ نے عقل کو بنیاد بنایا اور دل و نفس کے مرکزی کردار سے غافل ہو گئے، یہ فلسفی صوفی ہو گئے۔ کچھ نے نفس کی اصلاح کو اصل قرار دے کر بقیہ دو سے آنکھیں بند کر لیں، یہ زاہدانِ خشک اور جوگی نما رُہبان بن گئے۔ اور کچھ نے دل کو ایسا دل دیا کہ باقی دو نظروں سے اوجھل ہو گئے اور دل کی اصلاح پر مطمئن ہو کر ایسے ہوئے کہ حضرت مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے بارے میں کہنا پڑا کہ یہ "مجذوبِ متمکن" ہیں۔ نہ خود پہنچے ہیں نہ دوسروں کو پہنچا سکتے ہیں۔

اس بارے میں حق کیا ہے؟

اس کو سمجھنے کے لئے طب کی ایک بات لیتے ہیں۔ طب میں دل، دماغ اور جگر مرکزی کردار کے حامل ہیں، باقی تمام اعضاء ان تینوں کے تابع ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کی اہمیت اور افادیت سے کسی کو انکار نہیں، لیکن ان میں سے کوئی ایک بقیہ دو کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ تینوں آپس میں یوں مربوط ہیں کہ کسی ایک کے ٹھیک نہ ہونے سے باقی دو بھی خراب ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح عقل، قلب اور نفس ان تینوں کی نظامِ اصلاح میں مرکزی اہمیت ہے۔ ان میں سے ہر ایک باقی دو کو متاثر کرتا ہے، اس لئے کسی ایک کی اصلاح کافی نہیں

ہو سکتی، اگر باقی دو بگڑے ہوں تو یہ اس کو بھی خراب کر دیں گے جس کی اصلاح ہو چکی ہو۔ اس لئے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے ان کو تین لطائف کہا ہے جو کہ اصل میں تین نظام ہیں اور یہ تینوں فرداً فرداً قرآن و سنت سے ثابت ہیں۔

ان تینوں (نفس، قلب اور عقل) میں سے دو یعنی عقل اور قلب کے دونوں دروازے ہر وقت کھلے ہوتے ہیں، قلب میں دنیا کی محبت بھی ہو سکتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی بھی۔ عقل ایمانی خبروں کی بنیاد پر بھی فیصلہ کر سکتی ہے اور نفس کے تقاضوں کی بنیاد پر بھی، جبکہ ابتدا میں نفس کا صرف ایک ہی دروازہ کھلا ہوتا ہے اور وہ نفسِ اَمّارہ ہوتا ہے۔ اس لئے ابتدا میں صرف اس پر محنت نہ کرنا ہی تباہی کا پیش خیمہ ہوتا ہے جیسا کہ ﴿وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا﴾ سے ظاہر ہے کہ اس میں فاعلیت نہیں بلکہ عدمِ فعل ہے، نفس کی طرف سے تزکیہ سے اعراض ہے۔ پس اِس نفس کی اصلاح کرنا اصل ہے پھر ان دونوں کی اصلاح کے ساتھ دل اور عقل کی اصلاح بھی ضروری ہے، کیونکہ دل ایمان و کفر کے درمیان کسی طرف بھی ہو سکتا ہے اس لئے اس میں کم از کم ایمان کا ہونا ضروری ہے اور عقل کا آخرت پر کم از کم اس درجہ یقین ہونا ضروری ہے کہ غلط کو غلط اور صحیح کو صحیح کہہ سکے۔

پس اصلاح کی ابتدا کرنے کے دو طریقے ممکن ہیں: ایک عقل کی اصلاح سے ابتدا کی جائے تاکہ عقل دل اور نفس کی اصلاح کی طرف مائل ہو جائے اور ان کی اصلاح پر قائل ہو جائے، پھر نفس کی اصلاح کر لی جائے اور اس کے بعد قلب کو دنیا کی محبت سے صاف کر دیا جائے۔

دوسری بات یہ کہ دل میں اللہ تعالیٰ کی یومِ الست سے موجود محبت کو مہمیز کیا جائے اور ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ کے مطابق اللہ تعالیٰ کی شدید محبت جذبِ کسبی کے طور پر حاصل کر کے نفس کو اس کے ذریعے زیر کرنے اور سلوک طے کرنے کے راستے پر چل پڑے۔

پہلے اکثر سلاسل پہلے طریقے کے مطابق نفس کی اصلاح پہلے کر لیتے تھے، بعد میں حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ نے جذبِ کسبی کا راستہ دریافت کر کے دل سے اصلاح کی ابتدا کا طریقۂ کار شروع کیا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ کے شب و روز

الحمد للہ خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ میں حضرت سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب دامت برکاتہم کے دروس و خطبات کا سلسلہ نہایت پابندی کے ساتھ جاری و ساری ہے جس سے طالبانِ حق مسلسل سیراب ہو رہے ہیں۔ دروس کی تفصیل درج ذیل ہے:

روزانہ کے بیانات اور معمولات

1۔ "درسِ قرآن پاک"

2۔ "مطالعہ سیرت بصورتِ سوال"

3۔ درس "ریاض الصالحین"

خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ میں روزانہ فجر کی نماز کے بعد حضرت سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب دامت برکاتہم کی طرف سے قرآن پاک کا درس دیا جاتا ہے، اس کے متصل بعد مطالعہ سیرت بصورت سوال کے عنوان سے سیرت سے متعلق ایک سوال کا جواب دیا جاتا ہے اور اسکے بعد ریاض الصالحین سے ایک حدیث شریف کی تعلیم ہوتی ہے۔

3۔ ٹیلی فون پر بات:

روزانہ 2 سے 3 بجے تک کا وقت (سوائے جمعہ کے) حضرت شاہ صاحب دامت برکاتہم سے ٹیلی فون پر بات کرنے کے لیے مختص ہے۔

ہفتہ وار ہونے والے بیانات و معمولات:

جمعہ:

ہر جمعہ حضرت شاہ صاحب کسی ایک مسجد میں جمعہ کا خطاب فرماتے ہیں۔

بعد نمازِ عصر ختم قرآن، مجلس درود شریف اور اس کے بعد جمعہ کی آخری گھڑیوں میں دعا کی جاتی ہے جو کہ آن لائن نشر بھی کی جاتی ہے۔

ہفتہ:

ہر ہفتہ کے دن نمازِ عصر کے بعد سے اتوار کی صبح اشراق کی نماز تک مرد حضرات کے لئے اصلاحی جوڑ ہوتا ہے جس میں درج ذیل معمولات کیے جاتے ہیں۔

عصر کی نماز کے بعد انفرادی ذکر۔

بعد نمازِ مغرب حضرت مولانا اشرف سلیمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "سلوکِ سلیمانی" اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "تربیت السالک" کا درس، اس کے بعد اجتماعی ذکر و دعا۔

بعد نماز عشاء ختمِ خواجگان، درود شریف کی مجلس۔

حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "اسوۂ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم" سے تعلیم، کھانے پینے اور سونے کے آداب کا مذاکرہ۔

اتوار:

دن 11 سے 12 بجے تک خواتین کے لیے خانقاہ میں شرعی پردے کے اہتمام کے ساتھ اصلاحی بیان۔

بچوں کا تربیتی پروگرام:

آج کے اس دورِ پر فتن میں جہاں مسلمانوں کو بہت سے مصائب کا سامنا ہے وہاں ایک بہت بڑا چیلنج اپنے بچوں کی اچھی ظاہری اور باطنی تربیت بھی ہے۔ آج ہمارے بچے انٹرنیٹ، موبائل اور سوشل میڈیا کی گندی ثقافتی یلغار کی زد میں ہیں اور اعمال کے ساتھ ساتھ اب ایمان بچانا بھی مشکل نظر آتا ہے۔

موجودہ دور کے چیلنجز اور تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے بچوں کی بہترین ظاہری اور باطنی تربیت کے لیے خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ کی جانب سے ہفتہ وار آن لائن تربیتی پروگرام کا انعقاد کیا گیا ہے۔ ہر اتوار کو اس کے لیے زوم کا استعمال کرتے ہوئے لائیو کلاس منعقد کی جاتی ہے جو کہ بعد میں تربیتی پروگرام کے یوٹیوب چینل پر بھی اپلوڈ کر دی جاتی ہے۔

اس تربیتی پروگرام کو تین سیشنز میں تقسیم کیا گیا ہے۔

پہلا سیشن 1 سے 9 سال کے بچوں کے لیے ہوتا ہے جس میں دلچسپ کہانیوں کے ذریعے بچوں میں بہترین دینی اور دنیاوی اقدار و اخلاق پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اور ساتھ ساتھ ارکان اسلام کے بنیادی مسائل سے بھی آگاہ کیا جاتا ہے۔

دوسرا سیشن 10 سے 14 سال کے بچوں کے لیے ہوتا ہے جس میں بچوں میں اچھی عادات اور ذکر و تسبیحات کی تلقین کے ساتھ ساتھ قصص الانبیاء میں سے کچھ واقعات اور ان سے حاصل ہونے والے مفید اسباق بتائے جاتے ہیں۔

تیسرا سیشن 15 سال اور اس سے بڑے بچوں کے لیے ہوتا ہے جس کے اندر بچوں میں اپنی اصلاح کی فکر پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ ان کو قرب الٰہی حاصل کرنے کے طریقے اور مواقع بھی سکھائے اور بتائے جاتے ہیں اور آج کے دور کے تازہ فتنوں کے بارے میں آگاہی اور ان سے بچنے کی تربیت بھی کرائی جاتی ہے۔

جو خواتین و حضرات اپنے بچوں کی بہترین دینی اور دنیاوی تربیت کے خواہاں ہیں اور اس تربیتی پروگرام میں اپنے بچوں کو شامل کرانا چاہتے ہیں وہ مندرجہ ذیل وٹس ایپ گروپ میں شامل ہو جائیں۔ اس گروپ میں ان کو کلاس کا لنک اور تفصیلات بتا دی جائیں گی۔

گروپ میں شامل ہونے کے کیے اس نمبر پر بھی رابطہ کیا جا سکتا ہے

گوہر انوار صاحب

03335383171

وٹس ایپ گروپ کا لنک:

https://chat.whatsapp.com/J3mkYpSOK9S72QxvGsYAG2

بعد نمازِ مغرب فرض عین علم کی تعلیم۔

رات آٹھ بجے انگریزی میں بیان۔

پیر:

بعد نمازِ عصر پشتو میں بیان، بعد نمازِ مغرب اپنی اصلاح و تربیت کے متعلق (بذریعہ وٹس ایپ، ای میل اور ٹیلی فون پر موصول ہونے والے) سوالات کے جوابات۔

منگل:

بعد نمازِ مغرب درس مثنوی شریف۔

بدھ:

بعد نمازِ مغرب درس مکتوبات شریفہ حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ۔

جمعرات:

بعد نمازِ مغرب علامہ شبلی نعمانی اور حضرت سید سلیمان ندوی رحمہا اللہ کی کتاب "سیرت النبی ﷺ" کا درس اور درود شریف کی مجلس۔

ماہانہ بنیادوں پر ہونے والے بیانات و معمولات:

1. ہر مہینے میں ایک اتوار کو خواتین کے لیے شرعی پردے کے اہتمام کے ساتھ دن 9 سے 12 تک اصلاحی جوڑ۔

2. مہینے میں ایک بار ہفتہ کے دن عصر سے اتوار عصر تک خانقاہ امدادیہ جہانگیرہ (صوابی) میں اصلاحی جوڑ۔

3. ہر مہینے کے پہلے جمعہ کو راولپنڈی اسلام آباد میں کاکاخیل حضرات کے لیے مغرب تا عشاء جوڑ ہوتا ہے جس میں کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کا کتاب "مقاماتِ قطبیہ و مقالاتِ قدسیہ" سے درس ہوتا ہے۔

4. ہر مہینے میں ایک دفعہ رفاہ یونیورسٹی میں بیان ہوتا ہے جو آن لائن نشر بھی کیا جاتا ہے۔

6 دسمبر 2022 کو رفاہ یونیورسٹی نے نئے لیکچر ھال کے افتتاح کے موقع پر حضرت کو مدعو کیا جس میں ڈاکٹر صاحبان اور میڈیکل کے طلبا سے حضرت نے اصلاحی بیان فرمایا۔

11 دسمبر 2022 بروز اتوار، مفتی صدیق عمر صاحب نے اپنی رہائش گاہ پر خواتین کیلئے 3 گھنٹے کے اصلاحی جوڑ کا اہتمام کیا۔ اس موقع پر حضرت کا نو بجے ابتدائی مختصر بیان اور گیارہ بجے کا بیان ہوا۔

14 دسمبر بروز بدھ کو رفاہ یونیورسٹی میں میڈیکل فائنل ائیر کے طلبا و طالبات سے حضرت کا خصوصی بیان ہوا۔ جس میں حضرت نے ہدایت کے حصول میں اصل کامیابی پر ارشادات فرمائے۔

23 دسمبر کو حضرت کے جد امجد کاکا صاحب حضرت شیخ رحمکار بابا رحمۃ اللہ علیہ کے مزار

شریف کے پاس والی دربار مسجد میں جمعۃ المبارک بیان پشتو زبان میں ہوا

29 دسمبر 2022 بروز جمعرات کو حضرت زین العابدین صاحب دامت برکاتہم کی ہمشیرہ کی تقریبِ نکاح خانقاہ میں مسنون طریقے پر ہوئی۔ اس موقع پر حضرت نے خصوصی بیان فرمایا۔

15 جنوری 2022 بروز اتوار، مفتی صدیق عمر صاحب نے اپنی رہائش گاہ پر خواتین کیلئے 3 گھنٹے کے اصلاحی جوڑ کا اہتمام کیا۔ اس موقع پر حضرت کا نو بجے ابتدائی مختصر بیان اور گیارہ بجے کا بیان ہوا۔

بزرگوں کی تحریریں کیوں پڑھنی چاہئیں؟

بزرگوں کی تحریریں اُن کی زندگی کا نچوڑ ہوتی ہیں۔ ہم ہزاروں تجربات کرکے جس چیز تک نہیں پہنچ سکتے ان کی تحریروں سے ہم اُن چیزوں تک آناً فاناً پہنچ سکتے ہیں۔ اس وجہ سے بزرگوں کی ان تحریروں میں ریسرچ کرنا جس سے ہمارا یہ مقصد حاصل ہوتا ہو بہت مفید ہے۔ پھر ان میں مجددین حضرات کا رنگ بالکل الگ ہوتا ہے کیونکہ مجددین حضرات کی تحقیقات عمومی دین کے لئے ہوتی ہیں جو کہ اس وقت کے لوگوں کی سطح کے مطابق پیدا شدہ فروگزاشتوں کو دور کرکے دین کو اصلی صورت میں ظاہر کرتے ہیں۔

اگر صرف ایک آخری مجدد کی اتباع کی جائے تو وہ بھی کافی ہوتی ہے لیکن اگر چند متواتر مجددین کی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے تو اس سے حالات کے مطابق مطلوبہ تبدیلی لانے کا فن آشکارہ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس کے بعد اگر کوئی تبدیلی آتی ہے تو اس کے لئے "by the process of extrapolation" حل ڈھونڈنا آسان ہو جاتا ہے۔

اس کتاب میں ہم نے اپنے ان اکابر کے فیوضات کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے جو کہ قلب، عقل اور نفس کی اصلاح کے متعلق راہنمائی میں ایک اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قلبی اعمال بہت اونچے تھے جو کہ قلبی واردات والے حضرات کی راہنمائی کرتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے عقلی اعمال بہت زیادہ اونچے تھے۔ اس وجہ سے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحریرات کا فائدہ اُن لوگوں کو زیادہ ہوتا ہے جن کی عقلیں بہت آگے کا سوچتی ہیں۔ حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صفائی نفس کے اعمال بہت اعلیٰ تھے اس وجہ سے حضرت کی تعلیمات نفس کی صفائی کے کاموں میں مشعلِ راہ ہیں۔ حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات آج کل کے منطقی موشگافیوں کے جوابات کے لئے ماحول بنانے اور صلاحیت پیدا کرنے کے لئے مفید ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے اکابر کی تعلیمات سے پورا پورا مستفید ہونے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین

051 5470582 0332 5289274

sshabirkakakhel@gmail.com,
sshabir@tazkia.org

حضرت شاہ صاحب مدظلہ کو سوالات بھیجنے کیلئے 0315 5195788

www.tazkia.org